اسلامی معاشرے کی ساخت و پرداخت سیرت طیبہ کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد آصف علی حنان
اسسٹنٹ پروفیسر واپڈا ڈگری کالج تربیلہ ڈیم
خیبر پختون خواہ

Abstract

Sociology, as a Social Science, is considered very important in present age of knowledge. Islamic Sociology has proved its importance in this field. Keeping in view the relevant Verses of the Holy Quran and Sayings of the Holy Prophet (peace be upon him) a comprehensive study of Islamic Society established by the Holy Prophet peace be upon him is a dire need of this modern age. Islamic Society has a unique and specific structure which helps it to survive against every challenge of that time. The Holy Prophet (peace be upon him) had created entirely new society which was based on social justice and fundamental principle of equality of human being. This new society iscreated for the next generations till the last age of humanity; therefore, it has a specific inner shape which has the ability to resist against the negative impacts of every age. Shah Waliullah had done a splendid work on Islamic Sociology and pointed out in his writings the inner structure and

other important aspects of Islamic Society which is a valuable addition in the field of modern sociology.

رسول کریم ﷺ کے مبارک دور میں ظہور پذیر ہونے والے اسلامی معاشرے کا تحقیقی تجزیہ اور اس کی ساخت کا جائزہ عصر حاضر کی انتہائی اہم ضرورت ہے کیونکہ علم عمرانیات یا اجتماعیات جدید علوم میں بہت اہمیت حاصل کر چکا ہے۔ اور جدید علم عمرانیات کی مدد سے اسلامی معاشرے کی خوبیوں کو اُجاگر کرنا نسبتاً آسان بھی ہے اور ضروری بھی۔ کیونکہ دنیا کے ذہین طبقے کو اسلام کی جانب متوجہ کرنا عصرِ حاضر کی اہم ضرورت ہے۔

معاشرتی تبدیلیوں کے خصوصی مطالعہ کے بغیر کسی بھی عُمرانی حقیقت کی وضاحت کرنا ممکن نہیں چُنانچہ سماجی ارتقاء کے عمل کی توضیح و تشریح کے لیے ہر قسم کی سماجی تبدیلیوں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ مختلف قسم کے حالات معاشرے میں تبدیلیاں پیدا کرنے کے اسباب بن جاتے ہیں۔ ان حالات و اسباب کا مطالعہ انسان کی معاشرتی زندگی کی صحیح نہج پر تفہیم میں انتہائی ممد و معاون ثابت ہوتا ہے علاوہ ازیں یہ تجزیہ معاشرے کے تحفظ اور بقا کے لیے درکار اقدامات کی نشاندہی میں بھی مدد دیتا ہے۔

تمام اسلامی علوم کی مانند اسلامی عمرانیات کی اساس بھی قرآن و حدیث پر رکھی گئی ہے۔ اسلامی علوم کی تاریخ اور اُس کے تمام نامور حکماء و فلاسفہ کی کاوشیں یہی خصوصیت رکھتی ہیں۔ یہ بنیادی فرق اسلامی عُمران کی مابعد الطبیعیات کی وجہ سے ہے۔ چُنانچہ اسلامی عمرانیات سے مُراد اسلامی عُمران کی ساخت و پرداخت' اُس کے معاشرتی ادارے اور اُن کے باہمی تعلقات' حالات کی تبدیلی سے رونما ہونے والے تغیرات اور مزاحمتی صلاحیت' معاشرے کی مابعد الطبیعیات نیز اسلامی عُمران کی حیرت انگیز دوامی صلاحیت' جو اُس کے اور دیگر تمام غیر اسلامی معاشروں کے مابین وجہ امتیاز ہے' پر مبنی نظام کا مطالعہ ہے۔ ''پہلے اسلامی معاشرے کے قیام اور اس کی ساخت و پرداخت کا مطالعہ'' دراصل اسلامی عمرانیات کے بنیادی مباحث ہیں۔ ذیل میں ان اہم مباحث کا جائزہ لیا جائے گا۔

اسلامی معاشرے کا اولین ظہور

نبی کریم ﷺ کے اعلان نبوت سے قبل پورے عرب میں گمراہی اور شرک کا دور دورہ تھا۔ آپ ﷺ نے دعوت اسلامی کی ترغیب کسی فرد سے حاصل نہ کی تھی بلکہ اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔ اور نہ ہی آپ کو نبوت کا اعلیٰ ترین مرتبہ کسی فرد کی سفارش اور خواہش پر عطا کیا گیا تھا بلکہ آپؐ کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے کیا تھا۔ قرآن میں آتا ہے۔

اَللّٰہُ اَعلَمُ حَیثُ یَجعَلُ رِسٰلَتَہٗ (۱)

اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغامبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے۔

نبی کریم ﷺ اُمّی تھے۔ آپ کا اس وقت کے معاشرے میں کوئی استاد نہ تھا۔ اس لیے آپ کسی شخصیت سے متاثر نہ تھے۔

وَمَا كُنتَ تَتلُوا مِن قَبلِهِ مِن كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ اِذًا لَّارتَابَ المُبطِلُونَ(۲)

(اے نبی) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے۔ اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔

گویا جاہلی معاشرے کے بیچ توحید کا یہ پودا اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم سے پھوٹا اور ایک تناور درخت بن گیا۔ جس کا سایہ پوری دنیا پر چھا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے دعوت الی اللہ کے ذریعہ عرب کے بہترین افراد کو اپنی جانب راغب کر لیا اور راست باز انسانوں کا یہ مختصر سا گروہ تا قیامت اسلامی جماعت کے قیام کی بنیاد بنا۔ نبی کریم ﷺ نے جاہلیت اور شرک میں مبتلا انسانی معاشرے کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا اور تمام باطل معبودوں کا انکار کیا۔ نبی کریم ﷺ نے جاہلیت اور شرک میں مبتلا انسانی معاشرے کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا اور تمام باطل معبودوں کا انکار کیا۔ آپ کی اس دعوت کے ردعمل میں تین مختلف گروہ بن گئے۔ اس دعوت کو قبول کرنے والے، اس دعوت کا انکار کرنے والے اور ایسے افراد جو بظاہر مسلمان اور در پردہ مخالفین سے ملے ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والی جماعت مفلحون، حزب اللہ اور خیر البریۃ کے القاب کی مستحق بنی۔ اسی جماعت کو حزب اللہ قرار دیا گیا

أُولٰئِكَ حِزبُ اللهِ أَلَا إِنَّ حِزبَ اللهِ هُمُ المُفلِحُونَ(۳)

وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ خبردار رہو اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔

چنانچہ اسلامی عمران یا معاشرے سے مراد انسانوں کی وہ جماعت و گروہ ہے۔ جو مشرف بایمان ہو کر قرآن و حدیث، سنت و سیرت اور تربیت النبی ﷺ کو محفوظ کرنے کا ظرف بنی ہو۔ اسی عمران کے قیام کے لیے عرب کے گمراہ معاشرے کی اصلاح آپ کے فرائض میں شامل تھا۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الأُمِّيِّنَ رَسُولًا مِّنهُم يَتلُوا عَلَيهِم اٰيٰتِهِ وَ يُزَكِّيهِم وَ يُعَلِّمُهُمُ الكِتٰبَ وَالحِكمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ(۴)

وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا، جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے، ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

نبی کریم صلی ﷺ نے اپنی بعثت کے بعد شرک کے خلاف جدو جہد شروع کی۔ تین سال کی ابتدائی اور خفیہ دعوت کے بعد آپ کو اپنے رشتہ داروں تک اعلانیہ اللہ کا پیغام پہنچانے اور عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم ہوا (۵)۔ مکہ کے سرداروں کی اکثریت آپ کی دعوتِ توحید سے نالاں ہوگئی اور انہوں نے آپ کی شدید مخالفت شروع کردی۔ آپ کو اور آپ کے ماننے والوں کو سخت تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ آپ ﷺ کو توحید کی دعوت کے ردعمل میں انتہائی تکالیف پہنچائی گئیں جن کا سامنا آپ نے بڑے صبر و استقلال سے کیا۔

حضرت منیب الازدیؓ فرماتے ہیں۔

رَأیتُ رسول اللہ ﷺ فی الجاھلیتہ وھو یقول : یأیھا الناس قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا فمنھم من تفل فی وجھہٖ و منھم من حثا علیہ التراب ، ومنھم من سبّہٗ حتی انتصف النھارُ ، فاقبلت جاریۃ بعس مِن ماءٍ فغسل وجھہ ویدیہ، وقال: یَا بُنَیَّۃ الا تخشی عَلیٰ ابیكِ غیلۃً ولا ذلۃً. فقلت : من ھذہٖ؟ قالوا : زینب بنت رسول اللہ ﷺ (٦)

یعنی میں نے رسول ﷺ کو اپنے زمانہ جاہلیت میں دیکھا آپ فرمارہے تھے لوگو! لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے میں نے دیکھا کہ ان میں سے کوئی تو آپ کے چہرے پر تھوک رہا تھا اور کوئی آپ پر مٹی ڈال رہا تھا۔ اور کوئی آپ کو گالیاں دے رہا تھا (نعوذ باللہ) یہاں تک کہ آدھا دن گذر گیا پھر ایک لڑکی پانی کا پیالہ لے کر آئی جس سے آپ نے اپنے چہرے اور دونوں ہاتھ کو دھویا اور فرمایا میری بیٹی نہ تو تم اپنے باپ کے اچانک قتل ہونے سے ڈرو اور نہ کسی قسم کی ذلت کا خوف رکھو۔ میں نے پوچھا یہ لڑکی کون ہے؟ لوگوں نے بتایا رسول اللہ ﷺ کی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اس قدر شدید مخالفت کیوں ہوئی؟ اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ مشرک عمران کے نظام پر قابض سرداروں نے فوراً محسوس کرلیا تھا کہ آپ ﷺ پر ایمان لانے والے پرانے جاہلی معاشرے سے الگ ہو کر اپنی نئی شناخت قائم کر لیتے ہیں اور اس دعوت کی وجہ سے ان کے معاشرے میں دو گروہ بن گئے ہیں۔ ایک توحید کے ماننے والوں کا اور دوسرا بت پرست۔ اسی امر

کو انہوں نے قوم میں تفرقہ سے تعبیر کیا۔

ایک روز قریش نے جمع ہو کر کہا کہ ایک ایسے آدمی کو تلاش کرو جو سب سے بڑا جادوگر بڑا کاہن اور بڑا شاعر ہو کہ وہ اس آدمی (صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم) کے پاس جائے اور اس سے گفتگو کرے، جس نے ہماری جماعت منتشر کر دی، اور ہمارے دین پر عیب لگایا۔ عتبہ نے کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر ان سے بات کرتا ہوں (۷)۔

اس کے بعد عتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔

ابن کثیرؒ نے اس موقع پر گفتگو کی تفصیلات فراہم کی ہیں۔ وہ عتبہ کا قول نقل کرتے ہیں۔

واللہ ما رائنا سخلة قط اشام علی قومه منك فرقت جماعتنا و شتت امرنا و عبت ديننا (۸)

یعنی خدا کی قسم ہم نے کبھی کسی بھیڑ کے بچے کو اپنے ریوڑ کے لیے اپنی قوم پر آپؐ سے زیادہ نحوست والا (نعوذ باللہ) نہیں دیکھا آپؐ نے ہماری جماعت میں پھوٹ ڈال دی ہمارا نظام درہم برہم کر دیا ہمارے دین کو بدنام کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ''دعوت الی اللہ'' تھی اور اس دعوت کی کامیابی اور اشاعت سے ایک نیا معاشرہ وجود میں آ رہا تھا۔ جس کا احساس تمام مخالفین کو تھا۔ وہ اس نئی جماعت کی وجہ سے بے حد نالاں تھے۔ اس نئی جماعت کی اساس ایمانیات ثلاثہ پر تھی۔ یعنی توحید، رسالت اور آخرت اور یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تھی (۹)۔ دعوت الی اللہ کا یہ عمل حقیقت میں ایک انقلاب کی دعوت ہے لیکن اس میں انتہائی حکمت اور دانشمندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ عموماً ہر عمران اور معاشرہ دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے ایک حاکم طبقہ اور دوسرا محکوم طبقہ چونکہ جاہلیت پر مبنی عمران کی اساس ظلم پر رکھی جاتی ہے اور اس معاشرے کے وسائل پر قابض طبقہ جبر و طاقت سے دیگر تمام لوگوں کو دبا لیتا ہے اس لیے یہ سمجھنا آسان ہے کہ ایک نئے نظام کی دعوت پر کون کان دھرے گا اور کون ناراض اور فکر مند ہوگا۔

دعوت کے اس دور میں اللہ تعالیٰ کا پیغام اخلاق کی طاقت سے پھیلتا ہے۔ دعوت الی اللہ کے ضمن میں یہ بات بہت اہم ہے کہ اس دعوت کا مخاطب جب کوئی فرد ہو تو تبلیغ کے لیے اخلاقِ عالیہ ہی واسطہ اور وسیلہ بنتے ہیں۔ اور اگر کوئی گروہ ایسا بھی ہو جو جاہلی معاشرے کے استحصالی ٹولہ میں شامل نہ ہو تو اُس پورے گروہ یا قبیلہ یا قوم کے لیے بھی تبدیلی کا محرک تعلیمات اسلام اور اعلیٰ اخلاق ہی ہوتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس دعوت کا آغاز کیا۔ تو قرآن نے آپ کی سیرت کردار اور اخلاق کریمانہ کو ہی آپ کی سچائی کی دلیل کے طور پر پیش کیا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (۱۰)

آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمھارے درمیان گزار چکا ہوں۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

اسی طرح وحی کے آغاز پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جب آپ ﷺ کو تسلی دی تو آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق ہی کا ذکر کیا تھا۔ (۱۱) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سنا تو تحقیق احوال کے لیے اپنے بھائی کو بھیجا، وہ مکہ آیا اور نبی کریم ﷺ کو دیکھا۔ آپ کی دعوت سنی پھر واپس جا کر حضرت ابوذر غفاری کو اطلاع دی۔ کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو مکارمِ اخلاق کا حکم دیتے سنا اور آپ کا کلام جو شعر نہیں ہے۔ (۱۲)

چنانچہ دعوت اِلی اللہ کے اس مرحلہ میں نبی کریم ﷺ اپنے اعلیٰ اخلاق و کردار کو تبلیغِ دین کے لیے ایک ذریعہ کے طور پر استعمال فرما رہے تھے۔ کیونکہ دعوت کا رخ افراد کی طرف تھا۔ اسی لیے اس نظام پر قابض طاغوت کے مظالم کو صبر سے سامنا کرنے کی تلقین کی جاتی۔ (۱۳)

چنانچہ غلبہ کفر کے زمانہ میں اسلامی عُمران مزاحمت کی بجائے عدم مزاحمت کو اختیار کرے گا۔ بایں ہمہ اپنے اصول کسی حال میں ترک نہ کرے گا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اگر ابتداء میں ہی مزاحمت کی جائے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ اسلامی عُمران کو شدید نقصان پہنچ جائے اور انسانوں کی کثیر تعداد اسلام سے محروم ہوجائے اور دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخل ہو جائے۔ مکی دور میں مظالم تو برداشت کر لیے گئے لیکن دعوت توحید میں کوئی کوتاہی نہ کی گئی، شرک کا کلی رد کر دیا گیا اور ایک نئے عُمران کو عقائد ثلاثہ پر کھڑا کیا گیا۔

اِسی دعوت کی بناء پر اسلامی عُمران اس شرکیہ معاشرے سے الگ ہوا۔ ابتداء میں نبی کریم ﷺ کی پوری توجہ اسلامی عُمران کی تشکیل پر مرکوز تھی۔ ابھی اسلامی ریاست کا قیام ممکن نہ تھا۔ لیکن اسلامی عُمران اعلان نبوت کے ساتھ ہی قائم ہوگیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ اس کی تعمیر و تشکیل میں مصروف ہو گئے۔ کیونکہ اسی معاشرے میں اللہ کا نظام قائم ہونا تھا۔ اسی عُمران کو دعوت الی اللہ کا کام تا قیامت سونپا جانا تھا۔ اسی نے قرآن و حدیث کی اشاعت کرنی تھی اور اسی عُمران نے بنی نوع انسان کی قیادت کرنا تھی۔

اسلامی عُمران اور جاہلی عُمران علیحدہ ہیں

قرآن کریم میں اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ اسلامی عُمران اور اللہ کی دشمنی پر مبنی عُمران میں کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے اصحاب رضوان اللہ اجمعین نے اِسی اُصول کا عملی

مظاہرہ کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَا تَجِدُ قَوماً یُومِنُونَ بِاللّٰہِ وَالیَومِ الاٰخِرِ یُوَآدُّونَ مَن حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُولَہ وَلَو کَانُوآ اٰبَآءَ ھم اَو اَبنَآءَ ھُم اَو اِخوَانَھُم اَو عَشِیرَتَھُم اُولٰئِکَ کَتَبَ فِی قُلُوبِھِمُ الاِیمَانَ وَاَیَّدَھُم بِرُوحٍ مِنہُ(۱۴)

تم کبھی نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہیں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی ہے' خواہ وہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے' یا اُن کے بھائی یا اُن کے اہلِ خاندان ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دِلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک روح عطا کر کے اُن کو قوت دی ہے۔

ایک اور مقام پر آیا ہے۔

لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء من دون المومنین(۱۵)

مومن اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور دوست ہرگز نہ بنائیں۔

جنگ بدر میں اِس آیت کی عملی تشریح نظر آتی ہے ۔ کہ انتہائی قریبی رشتہ دار کا کوئی لحاظ نہ کیا گیا اگر وہ اللہ کے دُشمنوں کا حمایتی بن کر سامنے آیا۔ مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے اعزاو اقارب کو قتل کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے بارے میں سیوطی نے بیان کیا ہے۔

واخرج ابن عساکر عن ابن سیرین ان عبد الرحمٰن بن ابی بکر کان یوم بدر مع المشرکین فلما اسلم قال لابیہ: لقد اھدفت لی یوم بدر فانصرفت عنک ولم اقتلک فقال ابوبکر: لکنک لو اھدفت لی لم انصرف عنک(۱۶)

یعنی ابن عساکر نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ جنگ بدر میں عبدالرحمٰن بن ابوبکر مشرکوں کے ساتھ تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ جنگ بدر میں آپ میری زد میں آئے لیکن میں نے رخ پھیر لیا اور آپ کو قتل نہیں کیا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا کہ اگر تم میرے نشانہ پر آتے تو میں تم سے اعراض نہ کرتا۔

یہ واضح ہدایت آئی ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا اور نہ کافر کی میراث مسلمان پر

جاری ہوگی۔ کیونکہ اُصول بنیادی طور پر وہی ہے کہ اسلامی عُمران اور جاہلی معاشرہ بالکل الگ الگ ہیں۔

اُصول ہجرت:

اسلامی عُمران کی تشکیل کا ایک اور اہم اُصول ہجرت ہے۔ اگرچہ ہجرت کی اصطلاح انتہائی وسیع ہے۔ ہجرت کی کئی اقسام بیان کی گئی ہیں لیکن اُن تمام اقسام میں کسی چیز کا چھوڑنا ذکر کیا گیا ہے۔
مجمع الزوائد میں حضرت معاویہ، عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنھم کے حوالے سے ایک حدیث بیان کی گئی ہے۔

ان النبی ﷺ قال: الھجرۃ خصلتان، احدٰھما: ھجر السیئاتِ، والأُخرَیٰ: یھاجرُ الی اللہ ورسولہ، ولا تنقطع الھجرۃُ ما تقبلت التوبۃ، ولا تزال التوبۃ مقبولۃً حتیٰ تطلع الشمس من المغرب، فاذا طلعت طُبع علیٰ کل قلبٍ بما فیہ، و کفی الناسُ العمل(۱۷)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہجرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہجرت بُرائیوں کو چھوڑنا ہے۔ دوسری ہجرت اللہ تعالیٰ اور اُنکے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کرنا ہے۔ ہجرت اُس وقت تک باقی رہے گی جب تک توبہ قبول ہوگی۔ توبہ اُس وقت تک قبول ہوگی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہوجائے۔ جب سورج مغرب سے طلوع ہوجائے گا تو اُس وقت دل جس حالت پر ہونگے اسی پر مہر لگادی جائے گی اور لوگوں کے (پچھلے) عمل ہی کافی ہونگے۔

انسانی طبیعت کو کئی ایسی عادات مرغوب ہوتی ہیں۔ جو گناہ میں شامل ہیں۔ تو اُن کا ترک کرنا بھی ہجرت قرار دیا گیا۔ اسی طرح وطن کی محبت بھی انسان میں رچی بسی ہوتی ہے۔ اُس علاقے، اُس کے ماحول اور لوگوں سے ایک طرح کی اُنسیت ہوتی ہے۔ انہیں چھوڑنا آسان نہیں ہوتا۔ اسی لیے ہجرت کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اور مسلمانوں کو اِس کی بہت ترغیب دی گئی ہے۔
حضرت ابو قر صافہؓ سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ: ایھا الناسُ ھاجروا و تمسکوا بالاسلام، فان الھجرۃ لا تنقطعُ ما دام الجھاد(۱۸)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لوگو! ہجرت کرو اور اسلام کو مضبوطی سے

تھامے رکھو کیونکہ جب تک جہاد رہے گا ہجرت بھی ختم نہیں ہوگی۔

ہجرت اسلامی عُمران کی تشکیل میں مدد دینے والا ایک انتہائی اہم اُصول ہے اور یہ اس وقت لاگو ہوگا جب کسی مقام پر دین پر عمل کرنے میں مشکلات پیش آرہی ہوں۔ ''دعوت الی اللہ'' اسلامی عُمران کے قیام کا پہلا مرحلہ اور اس کی بنیاد ہے۔ اس دور میں ذریعہ کے طور پر اخلاق و کردار کی قوت استعمال ہوگی۔ کفر کے غلبہ میں ہاتھ باندھے رکھنے ہوں گے۔ معاشرے پر قابض طبقہ کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا۔ مگر اس کی مزاحمت کو صبر سے برداشت کرتے ہوئے جنگ سے اعراض سُنت نبویؐ ہے پس ماندہ طبقہ کو دعوت پیش کی جائے گی اور انہیں انسانوں کی غلامی کی بجائے اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرنے کو کہا جائے گا۔

اسلامی عُمران کا تزکیہ و تطہیر

اسلامی عمران کی انفرادیت کو صرف اسی صورت میں برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ جب اس کی صفات اور خصائص کو نقصان نہ پہنچنے دیا جائے کیونکہ حالات کا تنوع اور اُتار چڑھاؤ انسان کے ارادوں اور افعال میں کمزوری پیدا کر سکتا ہے چنانچہ انسانی نفسیات کے عین مطابق اسلامی عُمران کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں ورنہ زوال واقع ہو جائے گا۔ اب ضروری ہے کہ اسلامی عُمران کے تزکیہ وتطہیر کا طریق کار پیش کیا جائے۔

قرآن کریم میں آتا ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ(۱۹)

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو' بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت میں قرآن نے نیکی اور بدی کے لیے دونئی اور اہم اصطلاحات استعمال کی ہیں'' معروف'' جس کے معنی جانی پہچانی چیز کے ہیں اور ''منکر'' اس کی ضد ہے مُراد یہ ہے کہ ایسی شے جس کا انسانی طبع بالعموم انکار کرے۔

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں۔

معروف میں وہ تمام نیکیاں اور بھلائیاں داخل ہیں۔ جن کا اسلام نے حکم دیا ہے اور ہر نبی نے ہر زمانے میں اس کی ترویج کی کوشش کی اور چونکہ یہ امور خیر جانے پہچانے ہوئے ہیں اس لیے معروف

کہلاتے ہیں ۔ اسی طرح منکر میں تمام وہ برائیاں اور مفاسد داخل ہیں جن کو رسول کریم ﷺ کی طرف سے ناجائز قرار دینا معلوم و معروف ہے ۔(۲۰)

مسلمان اُمت کے لیے خیر اُمۃ کی اصطلاح ان کے حقیقی کام کی وجہ سے ہے ۔ احادیث میں مسلمانوں کا ''اشرف الناس'' اور امت محمدیہ کا ''اشرف الامم'' ہونا بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے خیر اُمت کی تشریح اس طرح بیان کی ہے۔

خیر الناس للناس تأتون بھم فی السلاسل فی اعناقھم حتی یدخلوا فی الاسلام (۲۱)

یعنی تم لوگوں کے لیے سب لوگوں سے بہتر ہو ان کو گردنوں میں زنجیریں ڈال کر لاتے ہو حتی کہ وہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اس آیت کا حکم عام ہے اور پوری اُمت امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے دائرہ عمل میں شامل ہے اسکے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو خصوصی طور پر ایک گروہ اسی مقصد کے لیے تیار رکھنے کا بھی حکم آیا ہے جس سے اس کام کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اسے کسی حال میں فراموش نہیں کرنا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٌ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۚ وَأُوْلَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ(۲۲)

تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہیں جو نیکی کی طرف بلائیں' بھلائی کا حکم دیں' اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں لفظ امر اور نہی خصوصی توجہ کے متقاضی ہیں۔ امر کے معنی میں کسی سے نرمی سے درخواست کرنے کے نہیں ہیں بلکہ اس کے معنوں میں قوت کا اظہار بھی ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں۔

معروف و منکر سے مُراد شریعت اور سوسائٹی دونوں کے معروفات و منکرات ہیں۔ اور اُن کے لیے امر و نہی کے جو الفاظ استعمال ہوئے اُن کا غالب قرینہ یہی ہے کہ یہ کام مجرد وعظ و تلقین ہی سے نہیں انجام دینا ہے بلکہ اختیار و قوت سے اس کو نافذ کرنا ہے۔ جو بغیر اس کے ممکن نہیں کہ یہ گروہ اُمت کی طرف سے سیاسی اقتدار و اختیار کا حامل ہو۔(۲۳)

حضرت ابوسعید الخدریؓ فرماتے ہیں۔

سَمِعتُ رسول اللہ ﷺ یقول:من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذٰلک اضعف الایمان(۲۴)

میں نے نبی کریمؐ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جو شخص تم میں سے کسی ناجائز امر کو ہوتے ہوئے دیکھے اگر اس پر قدرت رکھتا ہو کہ اس کو ہاتھ سے بند کردے تو اُسکو بند کردے اور اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے اور اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اسکو بُرا سمجھے اور یہ ایمان کا بُہت ہی کمزور درجہ ہے۔

ایمان کی ان تین درجوں میں تحدید کی وجہ سے پورا اسلامی عُمران اس اہم کام کا ذمہ دار ٹھہرا۔ اس لیے ہر فرد کو اپنے طور پر اور اپنی طاقت و استطاعت کے مطابق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا چاہیئے۔ یہ بات سمجھنا انتہائی اہم ہے کہ اسلامی عُمران کی صفات اور خواص سے ہر خاص و عام مستفید ہوتا ہے۔ اس لیے اسلامی عمران کے خواص کا زائل ہونا یعنی نیکیوں کے ماحول کی جگہ برائیوں کا رائج ہونا ایسی بات نہیں کہ اس سے غافل رہا جائے اور کسی کو برائی سے روکنا اس کی آزادی میں خلل اندازی قرار دی جائے۔ اگر کسی گھر میں آگ لگ جائے تو اس کو بجھانا سب اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ اس لیے بھی کہ دوسرا تکلیف میں ہے اس کی مدد کرنی چاہیے اور اس لیے بھی کہ یہی تکلیف مجھ پر بھی پڑسکتی ہے۔ آج میں مدد کرونگا تو کل میری مدد ہوگی۔ اور یہ خیال بھی سامنے ہوتا ہے کہ اگر یہ آگ نہ بجھائی گئی تو میرے گھر تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ یہی استدلال کسی کو برائی کرتے دیکھ کر قائم کرنا چاہیے کہ اگر اسے نہ روکا گیا تو میں بھی اس کے وبال کی زد میں آجاؤ نگا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کا پہلا تنزل اسی طرح شروع ہوا کہ ایک شخص کسی دوسرے سے ملتا اور کسی ناجائز بات کو کرتے ہوئے دیکھتا تو اس کو منع کرتا کہ دیکھ اللہ سے ڈر ایسا نہ کر لیکن اس کے نہ ماننے پر بھی وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے میں ویسا ہی برتاؤ کرتا جیسا کہ اس سے پہلے تھا۔

آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں

فلما فعلوا ذلک ضرب اللہ قلوب بغضھم ببعض ثم قال لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل الی قولہ فاسقون ثم قال کلا

واللہ لتأمرون بالمعروف ولتنھون عن المنکر ولتأخذن علی ید الظالم ولتأطرنّ علی الحق أطراً (۲۵)

جب عام طور پر ایسا ہونے لگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمانبرداروں کے دل نافرمانوں کی طرح سخت کر دیے۔ رسول اللہ ﷺ نے لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل الی قولہ فاسقون تک پڑھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بڑی تاکید سے یہ حکم دیا کہ تم ضرور نیکی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکو، ظالم کو ظلم سے روکتے رہو اور اس کو حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو اور اسے حق پر روکے رکھو۔

عملی نفاق ---- ایک مرکز گریز رجحان

اسلامی دعوت کو قبول یا رد کرنے والے گروہوں کے علاوہ ایک اور طبقہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ جو دعوت کو پوری طرح قبول نہیں کرتے مگر انہیں کھلم کھلا انکار کی جرات بھی نہیں ہوتی۔ یہ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہیں لیکن ایمان والے نہیں ہوتے۔ سورۃ بقرہ کے آغاز میں ہی اللہ تعالیٰ نے ان تینوں گروہوں کا ذکر فرمایا ہے درحقیقت منافقین کفار سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ عملاً انہی کی وجہ سے ایک مرکز گریز رجحان تشکیل پاتا ہے۔ جو اسلامی عمران کو کمزور کرنے کا باعث بنتا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ علماء نے نفاق کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ اعتقادی نفاق جو کفر سے بدتر ہے۔ عملی نفاق یعنی ایمان کے باوجود تمام یا کچھ شرعی احکام پر عمل نہ کرنا۔ نفاق عملی کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا لیکن اُس کا یہ عمل اُسے منافق سے مشابہ بنا دیتا ہے (۲۶)

اگرچہ منکرات کے اسلامی عُمران میں فروغ کی متعدد وجوہات ہوسکتی ہیں۔ لیکن منکرات پر عمل کرنے والا طبقہ عموماً عملی منافقین پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔ اسی لیے اسلامی معاشرے کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اپنی سطح پر منکرات کے خلاف جہاد کرنے اور ان کی روک تھام کی ہر ممکن کوشش کرئے۔ اسلامی عُمران کے مختلف طبقات میں سب سے زیادہ مشکلات پیدا کرنے والا طبقہ عملی منافقین کا ہے چنانچہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا خصوصی ہدف یہی طبقہ ہوا۔ اسی طبقہ کی وجہ سے اسلامی عُمران میں برائیوں کا فروغ ہوتا چلا جاتا ہے۔ لہذا مسلسل مزاحمت ضروری ہے اور اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ترک کر دیا جائے تو سارا اسلامی عُمران معاصی اور گناہوں کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔ اس لیے اسلامی عُمران کا تزکیہ وتطہیر اس عمل کے ذریعہ بہت ضروری ہے۔

تبلیغ ----اسلامی عمران کی توسیع و اشاعت

اُس کے ساتھ ساتھ اس اُمت کا یہ فریضہ بھی ہے کہ وہ اپنے رب کا پیغام دنیا کے ہر انسان تک پہنچائے ۔ نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں واضح ہدایات دی ہیں کہ یہ اُمت اللہ کا پیغام تمام انسانوں تک پہنچائے گی۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ادارہ اسلامی عمران کی ہیئت اصلیہ کی مسلسل تطہیر وتزکیہ کا کام کرتا ہے یعنی اس کا رخ اندرونی ہے جبکہ تبلیغ کا اصل کام اللہ تعالیٰ کے نہ ماننے والوں تک توحید کا پیغام پہنچانا ہے۔گویا تبلیغ کے عمومی مخاطب مسلم اور غیر مسلم دونوں ہیں جبکہ خصوصی مخاطب غیر مسلم ہیں۔

نبی کریم ﷺ کو اللہ کا پیغام تمام انسانوں تک پہنچانے کا حکم ہوا تھا۔قرآن کریم میں آتا ہے۔

یَآ اَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ (۲۷)

اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچادو۔اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اُس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا۔

نبی کریم ﷺ کی تبلیغ کا رخ بھی قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی طرف تھا۔اور اس کا اعلان کرنے کا آپ کو حکم ہوا تھا۔

قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡكُمۡ جَمِیۡعًا (۲۸)

تبلیغ پیغام الٰہی ہر نبی کا بنیادی فریضہ ہوتا ہے ۔ جسے وہ اپنی پوری زندگی میں سرانجام دیتا رہتا ہے۔تبلیغ کے لفظی معنی پیغام پہنچانے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہیں۔اس کی اچھائی اور خوبی کو دوسرے لوگوں اور دوسری قوموں اور ملکوں تک پہنچائیں اور اُن کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دیں۔(۲۹)

یہ پیغام جسے تمام انسانوں تک پہنچانا انبیاء کی ذمہ داری ٹھہرا پیغام توحید ہے۔قرآن میں آتا ہے۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنَ (۳۰)

ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی خدا نہیں ہے پس تم میری ہی بندگی کرو۔

اس پیغام توحید کو بندوں تک پہنچانے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ھبوطِ آدم کے وقت فرمایا تھا۔ اور اس کو ٹھکرانے والوں کو برے انجام کی خبر دی تھی (۳۱) انسانی عُمران کی نجات کا دارومدار عقیدہ توحید پر ایمان لانے پر ہے۔ اگر کسی شخص کو دنیا بھر کی نعمتیں مل جائیں لیکن وہ ایمان سے محروم رہے تو اس نے کچھ بھی نہ پایا۔ اور اگر کوئی مفلوک الحال شخص اس دنیا سے باایمان رخصت ہوگیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ہر نعمت پالی۔ چنانچہ انسانی عُمران کی سب سے بڑی خدمت اس تک اسلام کا پیغام پہنچانا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جس قدر بھی مہمات بھیجیں انہیں سب سے زیادہ اہم ہدایت یہی ہوا کرتی تھی کہ کوشش کرو کہ وہ لوگ اسلام قبول کرلیں۔ اس سے نبی کریم ﷺ کی ان کوششوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے اسلامی عُمران کی توسیع کے لیے فرمائیں۔

جہاد---طاغوت سے کشمکش

جب بھی عدل پر مبنی ایک اجتماعی نظام قائم کرنے کے لیے آواز اٹھائی جائے گی تو جاہلی معاشرت پر قابض طبقہ کبھی بھی انسانوں کو اپنی غلامی سے نکلنے نہیں دے گا۔ دنیا میں آج تک کی انسانی تاریخ میں نظام کی تبدیلی کی شدید مزاحمت کی گئی ہے اور اس میں طاقت کا استعمال ناگزیر ہوا۔ ظالم فرد ہو یا طبقہ کبھی بھی اپنے مفادات سے محض دلائل کی بناء پر دستبردار نہیں ہوگا۔ اس لیے کسی بھی نظام کی تبدیلی میں طاقت کا استعمال ایک عالمگیر اصول کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اب یہ بحث کہ طاقت کے استعمال کا آغاز کس نے کیا؟ ایک جزوی اور فروعی حیثیت رکھتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں میں سے جو فریق بھی اپنا مفاد دیکھے گا۔ وہ جنگ کا آغاز کردے گا۔

نبی کریم ﷺ نے جہاد کا حکم صرف اُن عناصر کے خلاف دیا جو اسلامی عُمران کی بقاء کے لیے مہلک خطرہ بن گئے تھے اور تمام مسلمانوں کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے۔ دراصل دعوتِ حق انسانی عُمران میں مختلف شکلوں میں نمودار ہوتی ہے۔ کبھی یہ دعوت الی اللہ کہلاتی ہے، کبھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور کبھی جہاد کی صورت میں سامنے آتی ہے۔

لفظ جہاد جَھَدَ یَجھدُ جَھداً سے ماخوذ ہے۔ جس کا مصدر جُھد اور جَھد بنتا ہے اور اس کے معانی وسعت اور طاقت کے ہیں۔ (۳۲)

جنگ کے لیے حرب، قتال، زحف، باس، جہاد، اور غزیٰ کے الفاظ آتے ہیں۔ جہاد بمعنی کسی کام میں اپنی انتہائی کوشش صرف کرنا اور جہاد فی سبیل اللہ وہ کوشش ہے۔ جو ذاتی اغراض کو چھوڑ کر محض اللہ کے حکم کی سربلندی کے لیے کی جائے۔ (۳۳) جہاد فکری، قولی، عملی اور مالی ہر لحاظ سے ہوسکتا ہے۔ اس کے معنوں میں بہت وسعت ہے لیکن ہر معنی میں قربانی کا تصور موجود ہے۔ کبھی جان کی قربانی، کبھی

مال اور کبھی نفسانی خواہشات یعنی اپنے عیش و آرام کو راہ خدا میں قربان کرنا۔ جہاد سے عموماً یہ مراد لی جاتی ہے کہ دشمنوں سے اس کا دفاع اور کبھی غیر عادلانہ اور ظالم نظام کے خلاف اقدام (۳۴)

مختصراً یہ کہ شرعی اصطلاح میں جہاد ہر اُس سعی و کوشش اور جانفشانی و مشقت کو کہا جاتا ہے۔ جو اسلام کی سربلندی، حفاظت اور اشاعت دین کی خاطر کی جائے۔ اسلامی عمران کے دشمنوں سے کبھی غافل نہ رہا جائے اور اسلامی ریاست یا اُس کے حکمرانوں کا فرض اولین اسلامی عمران کو دشمنوں سے محفوظ رکھنا ہے (۳۵) جہاد کے متعلق اسلام کا نظریہ دنیوی نظریات سے قطعاً مختلف ہے۔ دنیا اور اس کے اسباب کبھی بھی جہاد کا مقصد نہیں رہے بلکہ اس کا اصل مقصد انسانیت کو انسانوں کی غلامی سے نکالنا ہے، جاہلی معاشرے پر قابض طبقہ کو قرآن نے طاغوت کا نام دیا ہے۔ کیونکہ وہ دوسروں کی گمراہی کا سبب بھی بن رہے تھے۔ جو حدودِ بندگی سے نکل جائے اس کو طاغوت کہتے ہیں چنانچہ طاغوت ہر اس فرد کو کہا جائے گا جو اپنی حدود سے تجاوز کر جائے (۳۶) اور بندوں کو اپنا غلام سمجھے۔ مسلمانوں کی دشمنوں کے ہاتھوں ہلاکت کا اندیشہ ہو تو تمام مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ اگر طاغوتی طاقتیں اپنے نظریات کا پرچار کرتے اور اس پر عمل کرتے ہوئے کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کرتیں تو مسلمان اپنے دین کا اظہار کرتے ہوئے کیوں شرمندہ ہوں؟ باطل طاقتوں کا زور نہ توڑا جائے تو دنیا معصیت کی آگ کی لپیٹ میں آ جائے گی۔ جہاد کی بدولت ہی اسلام دشمنوں کے عزائم ٹوٹتے ہیں۔

و قال الله تعالىٰ: لَوْ لَا دَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلٰكِنَّ اللهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ(۳۷)

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ باز نہ رکھتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ سب جہانوں پر رحم کرنے والا ہے۔

عبداللہ عزامؒ لکھتے ہیں۔

جنگ (قتال) کو اسلام میں دعوت اسلامی کی توسیع، کفر کے تسلط سے بشریت کی نجات اور دنیا کے اندھیروں سے نکال کر دنیا اور آخرت کی روشنی میں لانے کے لیے مشروع اور جائز رکھا گیا ہے۔ یعنی دین حنیف میں جنگ کا مقصد دعوت اسلامی کی راہ روکنے والی سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی رکاوٹوں کو دور کرنا ہے بلکہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ جہاد کا کام ہے دین ارحم الرحمین کو جہاد عالم میں پھیلنے سے روکنے والی رکاوٹوں کو تباہ کر کے دور کر دینا (۳۸)

اس دنیا میں خیر و شر کی قوتیں پہلو بہ پہلو موجود ہیں۔ اور بری طاقتیں بڑے منظم انداز میں انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنے قبضے میں رکھتی ہیں۔ تاکہ اپنے ناپاک عزائم کو پورا کیا جا سکے۔ لہذا

اسلامی عمران پر جہاد فرض کیا گیا تاکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی، ان کی آبادیاں، تہذیب وتمدن محفوظ رہیں نیز دنیا کا وہ مظلوم طبقہ جو ظالموں کے ظلم کا شکار ہے، آزاد کرایا جاسکے۔

اسلامی معاشرے کی قوت محرکہ---ایمان

بنیادی اسلامی عقائد تین ہیں۔ توحید، رسالت، اور آخرت اور تینوں کا تعلق براہ راست معاشرے سے ہے۔ اسلام ایسے عقائد کی دعوت نہیں دیتا جو انسان کو اُس کی موجودہ اور آئندہ زندگی سے الگ تھلگ کردے بلکہ یہ عقائد اس کی پوری زندگی کو منضبط کرتے ہیں۔ توحید اسلامی عقائد میں اہم ترین ہے۔

الیاس بایونس لکھتے ہیں:

> Islam,then, is not merely a formula of rituals. It is the process of obedience to the rule that Allah has laid down regarding relation of man with Him and the relationship among human beings, wheather they be in terms of the family, polity, economy, education, ecreation, reproduction and all those matters which together sustain full societal and interactional life on this Earth.(39)

چنانچہ اسلامی عقائد ایک مضبوط معاشرے کو تشکیل دیتے ہیں۔ خالقِ کائنات کی وحدانیت کے بارے میں قرآنی تعلیمات واضح ہیں۔لیکن یہ ایسا ایمان ہے۔جس کا انسانی عمران سے گہرا تعلق ہے۔ جو انسان کو کائنات کی تنہائیوں سے باہر نکال لیتا ہے۔ اور اُس کی معاشرتی زندگی کی بامقصد تشکیل کرتا ہے۔جس میں انسانوں کے باہمی تعلقات اور ربِّ کائنات سے وابستگی کا اظہار ہے۔

یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

لاالہ الا اللہ حقیقی انسانی اخوت اور سچی عزت وآزادی کی نہائت مضبوط بنیاد ہے۔یہ الہٰ حقیقی کا تعلق کی خاص قبیلے یا قوم یا ملک سے نہیں جوڑتی بلکہ اسے ربِ العالمین، رب السمٰوت اور رب المشرق ومغرب قرار دے کر ہر انسان کو اسی کا حلقہ بگوش بننے کی دعوت دیتی ہے۔ لاالہٰ الا اللہ ایک نئے معاشرے کی تشکیل کا اظہار ہے۔ جو جاہلی معاشروں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ عقیدے کے اعتبار سے بھی اور طریق کار کے لحاظ سے بھی یہ معاشرہ نہ مادی ہوتا ہے، نہ وطنی اور نہ طبقاتی۔ بلکہ اسے صرف ذاتِ وحدہٗ لاشریک سے ایک خاص نسبت حاصل ہوتی ہے۔ (۴۰)

ایمان باللہ کے اسی پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے سید مودودیؒ لکھتے ہیں:

یہ عقیدہ جو اس عظیم الشان فکری وعملی نظام میں مرکز اور منبع قوت کا کام کر رہا ہے۔ محض اسی قدر نہیں ہے کہ" اللہ تعالیٰ موجود ہے" بلکہ وہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک مکمل اور صحیح تصور رکھتا ہے۔ اور اسی تصورِ صفات سے وہ قوت حاصل ہوتی ہے جو انسان کی تمام فکری اور عملی قوتوں پر محیط اور حکمران ہوجاتی ہے۔'(...) جس چیز نے اسلام کو تمام مذاہب وادیان سے ممتاز کردیا ہے وہ اسی علم کو ایمان بلکہ اصلِ ایمان بنا کر اس سے تزکیہ نفس، اصلاح اخلاق، تنظیم اعمال، نشر خیر ومنع شر اور بناء تمدن کا اتنا بڑا کام لیا ہے۔ جو دنیا کے کسی مذہب وملت نے نہیں کیا۔ (۴۱)

دوسرا اہم عقیدہ رسالت کا ہے۔ یعنی اس پر ایمان رکھنا کہ انسانوں کو رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں انبیاء اور رسول بھیجے۔ روئے زمین کی ہر آبادی میں، ہر قوم میں اور ہر زباں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی راہ دکھانے والے، اس کی آواز پہنچانے والے، اور انسانوں کو ان کی غفلت سے چونکا نے والے پیغمبر یا نائب پیغمبر آئے اور یہ سلسلہ محمد رسول ﷺ کی بعثت تک جاری رہا(۴۲)

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

ولقد ارسلنا من قبلك رسلاً الی قومهم (۴۳)

انبیاء اور رسولوں کا انسانوں میں سے ہونا شرف انسانیت ہے۔ یہ گروہ علیہم الصلوات والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے اور اس کی خوشنودی کے حصول کے لیے زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے ہر نبی بذات خود اپنے دور کے عمران کے لیے ایک مثال اور نمونہ عمل ہوتا ہے۔

یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

انبیاء ورسل انسانیت کے حقیقی اور بلند ترین نمونے ہوتے ہیں۔ وہ مثالی افکار سے عبارت تجریدی ہستیاں نہیں بلکہ مکارم اخلاق اور فضائل اعمال کی مظہر زندہ شخصیات ہوتی ہیں۔ ان کا تعلق کسی مافوق الفطرت مخلوق سے نہیں بلکہ گوشت پوست کے انسانوں سے ہوتا ہے۔ قرآن اس خیال کی بڑے زور سے تردید کرتا ہے کہ انسانوں کے لیے رسول کوئی غیر انسان ہونا چاہیے۔ اس کے برعکس وہ رسالت کا جو مفہوم ہمارے دل ودماغ میں اتارتا ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء نہ خدا ہوتے ہیں نہ خدائی میں شریک ہستیاں اور نہ خدا کی اولاد بلکہ وہ بھی بلحاظ تخلیق عام انسانوں جیسے انسان ہی ہوتے ہیں (۴۴)

رسولوں کی آمد کا مقصد چونکہ رہنمائی ہے۔ اس لئے ان کی تعلیمات اور سیرت پر عمل رسالت پر ایمان کا حصہ ہے۔ کوئی بھی مسلم عمران اپنے وقت کے رسول یا نبی پر ایمان رکھتے ہوئے اس کے احکامات اور سیرت پر عمل سے گریز نہیں کرسکتا۔ انبیاء کی اطاعت درحقیقت رب العالمین کی اطاعت

ہے(۴۵)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یا یھاالذین امنوااطیعوااللہ ورسولہ ولاتولواعنہُ وانتم تسمعون٥ولاتکونوا کالذین قالواسمعنا وھم لایسمعونَ(۴۶)

اے ایمان لانے والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے ہرگز روگردانی نہ کرو جب تم اس کا حکم سن چکے ہو اور ان لوگون کی طرح نہ ہوجاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ کچھ نہیں سنتے۔

اسلامی عقائد میں تیسرا اہم عقیدہ آخرت کا ہے۔ جو اسلامی عُمران کی نفسیات میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور اُسے دیگر تمام معاشروں سے ممتاز کر دیتا ہے۔ انسان چونکہ ظاہر کا خوگر ہوتا ہے۔ اِس لیے عموماً زندگی کا تصور بھی محض اِسی دنیا تک محدود ہوجاتا ہے۔ انسان کی پیدائش' بچپن' جوانی' بڑھاپا اور موت کو اُس کی کل زندگی سمجھا جاتا ہے۔ اور اِسی تصور کے مطابق اُس کی زندگی کا لائحہ عمل ترتیب دیا جاتا ہے۔ دیگر تمام مذاہب اور نظام ہائے فکر کے مقابلہ میں اسلام نے انسانی معاشرے کو ایک ایسے تصورِ حیات سے روشناس کرایا ہے۔ جس میں زندگی صرف اِس دنیا تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ مرنے کے بعد بھی ایک طویل عرصہ برزخ اور میدانِ حشر میں بسر کرنا ہے۔ جہاں بہُت سے سخت مراحل درپیش ہونگے اور انتہائی اہم بات یہ ہے کہ اُخروی زندگی کا انحصار اِس دنیا کی زندگی کے اعمال و افعال پر ہوگا، انسانی معاشرے میں عقل وفہم کے اعتبار سے تمام انسان یکساں نہیں ہوتے۔ چنانچہ اسلامی عقائد کے اثرات بھی ہر شخص پر مختلف ہوتے ہیں۔ ایمان کا اعلیٰ درجہ تو یہی ہے۔ کہ اعمال صالحہ اللہ تعالیٰ کی محبت و اطاعت میں سرانجام دیئے جائیں۔ لیکن جو اشخاص ایمان کی اس سطح پر نہ پہنچے ہوں انہیں متحرک کرنے کے لیے آخرت میں جوابدہی کا عقیدہ بھی بہت مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اسلامی عمران میں اعمال صالحہ میں مصروف افراد یا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت میں سرشار ہوتے ہیں یا پھر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اعمال کا حساب دینے سے ڈرتے ہیں۔ بہر حال ایک صالح معاشرہ وجود میں آجاتا ہے۔

یوسف القرضاوی لکھتے ہیں:

صفتِ ایمان سے متصف افراد ہی درحقیقت اصلاح یافتہ ہوتے ہیں۔ جن سے صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے اور صالح معاشرہ ہی اصلاحِ افراد کا بھی ضامن ہوتا ہے۔ اس طرح ایمان افراد معاشرہ کو بیک وقت صالح و مصلح کی سی حیثیت دے کر معاشرتی زندگی کے اردگرد ایک زبردست حصار قائم

کردیتا ہے جو اس میں سے ایمان واصلاح کے عنصر کو کبھی خارج نہیں ہونے دیتا(۴۷)

اسلامی عمران میں سیرت النبی ﷺ کا اثر و نفوذ

نبی کریم ﷺ کی مبارک سنن اور افعال اسلامی عمران میں اس طرح سرایت کر گئے ہیں جیسے جسم میں روح۔ آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ کی پیروی کرنا انفرادی و اجتماعی سطح پر نہ صرف ایک اعزاز سمجھا جاتا ہے بلکہ انسانیت کی فلاح بھی اسی میں مضمر ہے۔ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ اور آپ کا ہر ایک قول اور فعل امت مسلمہ کے لیے رشد وہدایت کا منبع ہے۔ آپ کی سیرت مبارکہ کی پیروی کرنا مشکل نہیں بلکہ انتہائی آسان ہے اس کے لیے صرف قوت ایمانی درکار ہے۔ پھر خود بخود اسوہ حسنہ ایک سچے مسلم میں سما جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی شخصیت کو اسلامی عمران کے لیے ایک مثال قرار دیا ہے۔

قال اللہ تعالی: لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ(۴۸)

درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

هذه الآية الكريمة اصل كبير في التاسي برسول الله ﷺ في اقواله وافعاله واحواله ولهذا امر تبارك وتعالى الناس بالتاسي بالنبي ﷺ يوم الاحزاب في صبره ومصابرته ومرابطته ومجاهدته وانتظاره الفرج من ربه عزوجل (لقد كان لكم... الاية) اي هلا اقتديتم به وتأسيتم بشمائله(۴۹)

یعنی یہ آیت کریمہ بہت بڑی دلیل ہے اس امر پر کہ نبی کریم ﷺ کے کل اقوال، افعال احوال اقتداء کے قابل ہیں۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی اقتداء کا حکم دیا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ خندق میں صبر، تحمل، شجاعت اور مجاہدہ اور تنگی میں رب کریم کی طرف سے آسانی کے انتظار میں آپ نے مثال قائم کی (لقد کان لکم ۔۔۔) یعنی تو تم نے ان میں نبی کریم ﷺ کی پیروی کیوں نہ کی اور آپ کے اوصاف کیوں نہ اپنائے۔

یہ آیت اگرچہ جنگ خندق کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے لیکن اسے نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی کو نمونہ بنانے کی دعوت کی بڑی دلیل سمجھا جاتا ہے۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں۔

اس کے الفاظ عام ہیں اور اس کے منشاء کو صرف اسی معنی تک محدود رکھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ صرف اسی لحاظ سے اس کے رسول ﷺ کی زندگی مسلمانوں کے لیے نمونہ ہے، بلکہ مطلقاً اسے نمونہ قرار دیا ہے لہٰذا آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان ہر معاملہ میں آپ ﷺ کی زندگی کو اپنے لیے نمونے کی زندگی سمجھیں اور اس کے مطابق اپنی سیرت وکردار کو ڈھالیں (۵۰)

Michael Gilsenan لکھتا ہے

> The practice of the Prophet (pbuh), the Sunna, became a model for all Muslims, and it was recorded and elaborated in what became a large number of texts, on which together with the Quran, the Islamic law was based. The traditions of Muhammad (pbuh) and his companions, known as the hadith, developed into a framework for defining what the community is, and this framework became the basis of education and learning as much as of practical life.(51)

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے نبی کریم ﷺ کے تمام اعمال وافعال کو اس طرح اپنے اندر سمو لیا تھا کہ گویا وہ آئینہ بن گئے تھے جس میں نبی کریم ﷺ کی پوری سیرت منعکس ہو رہی تھی۔ انسانی تاریخ میں ایسی جماعت نہیں گزری جس نے اپنے قائد کی ایسی اتباع کی ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں نوویؒ لکھتے ہیں۔

> وکان شدید الاتباع لاثار رسول اللہ ﷺ حتی انہ ینزل منازلہ ویصلی فی کل مکان صلی فیہ ویبرك ناقتہ فی مبرك ناقتہ ونقلوا ان النبی ﷺ نزل تحت الشجرۃ فکان ابن عمر یتعاھدھا بالماء لئلا تیبس (۵۲)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے آثار کی شدت سے اتباع کرتے یہاں تک کہ سفر میں جہاں آپ نے قیام فرمایا ہوتا وہاں قیام کرتے اور جس جگہ آپ نے نماز پڑھی ہوتی وہاں نماز پڑھتے اور جہاں آپ کی اونٹنی بیٹھی ہوتی وہاں اپنی اونٹنی بٹھاتے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا تھا ابن عمر اسے سرسبز رکھنے کے لیے پانی دیا کرتے تھے۔

درحقیقت ہر زمانہ میں اسلامی عُمران کا رخ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کی طرف ہوتا ہے۔ آپ ﷺ اسلامی عُمران کا مرکز ہیں۔ آپ ﷺ کی سخاوت، ایثار قربانی، اور بے غرضی جیسی صفات اسلامی عُمران کی روح ہیں۔ جاہلی عُمران کا اسلامی عُمران میں تبدیل ہو جانا انتہائی حیرت انگیز تھا۔ اس کی

گواہی قرآن نے بھی دی ہے کہ خونی دشمن باہم دوست اور بھائی بن گئے۔

وقال تعالیٰ: وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (۵۳)

اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔

اسلامی عُمران عرب کے جاہلی عُمران سے بالکل مختلف تھا بلکہ متضاد تھا۔ کہاں یہ عالم تھا کہ تھوڑے سے نقصان پر دوسرے کی جان لینے سے گریز نہ کیا جاتا اور اپنے قلیل مفاد کی خاطر کسی کا خون بہا دیا جاتا تھا۔ اور اب یہ ماحول کہ اللہ کی راہ میں جان دینے کا شوق ہے۔

وقال تعالیٰ: قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ (۵۴)

آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا تمتع بہت تھوڑا ہے اور آخرت ہر طرح سے بہتر ہے اس کے لیے جو ڈرتا ہے۔

اس آیت کا اسلامی معاشرے میں نفوذ دیکھنا ہو تو حضرت سلمہؓ بن اکوع والا واقعہ پڑھنا چاہئے۔ ایک مرتبہ عبدالرحمن نزاری نے نبی کریم ﷺ کی اونٹنیوں کو لوٹ لیا۔ حضرت سلمہؓ نے اکیلا ہونے کے باوجود اس گروہ کا تعاقب کیا۔ اور انہیں بہت نقصان پہنچایا۔ ان کی مدد کو پہنچنے والوں میں حضرت اخرم اسدیؓ بھی شامل تھے یہ سب سے آگے تھے۔ انہوں نے تنہا حملہ کرنا چاہا تو حضرت سلمہؓ نے روکا تاکہ اور آدمی آجائیں تو حملہ کیا جائے۔ حضرت اُخرمؓ کا جواب مندرجہ بالا آیت کی عملی تشریح ہے۔

حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں:

قلت يَا أَخْرَمْ أَحْذَرْهُمْ لايطعونك حَتَّى يلحق رسول الله ﷺ وأصحابهُ قال سلمة ان كنت تومن بالله واليوم الاخِرِ وتعلم ان الجنة حق والنار حق فلا تحل بيني وبين الشهادة (۵۵)

حضرت سلمہؓ فرماتے ہیں میں نے کہا اے اخرمؓ تم ان سے بچے رہنا ایسا نہ ہو یہ تم کو مار ڈالیں جب تک رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نہ آلیں۔ انہوں نے کہا اے سلمہؓ اگر تجھ کو یقین ہے اللہ تعالیٰ کا اور آخرت کے دن کا اور تو جانتا ہے کہ جنت سچ ہے اور جہنم سچ ہے تو مت روک مجھ کو شہادت سے۔

حضرت سلمہؓ نے حضرت اخرمؓ کو چھوڑ دیا ان کا مقابلہ عبدالرحمن فزاری سے ہوا جس نے انہیں شہید کر دیا۔ راہ خدا میں جان دینے کا یہ شوق پورے معاشرے میں موجود تھا۔

جنگ یرموک کے دن جب لڑائی رُکی اور زخمیوں کو امداد پہنچائی گئی تو ان میں حضرت عکرمہؓ بھی شامل تھے۔ جب انہیں پانی پلایا جانے لگا تو ان کے کان میں کسی کی پانی مانگنے کی آواز پڑی انہوں نے پانی نہ پیا اور اشارے سے اپنے اس زخمی بھائی کے پاس بھیجنے کا کہا۔ اس واقعہ میں یہ ایثار ان تینوں اشخاص میں موجود تھا جنہیں پانی پیش کیا گیا(۵۶) اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ نبوی تربیت و سیرت کی نفوذ پذیری کا واضح ثبوت ہے۔

حضرت ابن عمرؓ بھی اسی طرح کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں کسی کو ہدیہ میں بکری کی سری ملی تو انہوں نے کہا کہ میرا فلانا بھائی اور اس کے گھر والے ہم سے زیادہ حاجت مند ہیں تو وہ انہوں نے اس کے گھر بھیج دی اس طرح ایک دوسرے کی طرف بھیجتا رہا حتی کہ سات گھروں میں سے ہو کر وہ سری پھر پہلے گھر آ گئی(۵۷)

آپ ﷺ کی مبارک تربیت کی برکت سے ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس میں اپنے مفاد کی بجائے دوسروں کے مفاد کو پیش نظر رکھا جاتا۔ اپنے سے زیادہ دوسرے کو ترجیح دینا اتنا حیران کن نہیں ہے جتنا یہ پہلو حیرتناک ہے کہ ایک دوسرے کے لیے ایثار اور قربانی کرنے کا جذبہ تمام معاشرے میں بدرجہ اُتم موجود تھا اور ہر شخص اپنے حق کی بجائے دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں مشغول تھا۔ عرب معاشرے میں ایسی مثالیں موجود نہ تھیں یہ صرف اور صرف سیرت النبیؐ کا نفوذ تھا جو پورے معاشرے میں موجود تھا۔ جوان ہو یا بوڑھا، عورت ہو یا مرد، بڑا ہو یا چھوٹا ہر ایک کی کوشش صرف یہی تھی کہ وہ اپنے نبی کریم ﷺ کے مبارک افعال کو اپنی زندگی میں لے آئے۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ کا انعکاس پورے اسلامی عُمران میں اس طور سے ہوتا ہے کہ ہر فرد کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے حتی کہ زندگی کی تمام ضروریات میں نبی کریم ﷺ کا اسوہ حسنہ اپنے سامنے رکھتا ہے اور پوری دنیا کا اسلامی عُمران سنت نبوی کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ کا یہ نفوذ پندرہ سو سال بعد بھی اسلامی عُمران میں اسی طرح سرایت کیے ہوئے ہے۔ اور تا قیامت جاری رہے گا۔

عُمرانی حالات اور اعمال کے باہمی تعلق کا اُصول

اسلامی عمرانیات کا ایک اچھوتا پہلو اس حقیقت کا انکشاف ہے کہ انسانی آبادیوں کے حالات پر ان کے اچھے اور بُرے اعمال کا انتہائی گہرا اثر پڑتا ہے۔ انسان عموماً ظاہر کا خوگر ہوتا ہے۔ اور اسی

کے مطابق اپنے حالات کا تجزیہ کرتا ہے صرف اسلامی عُمرانی تعلیمات میں اس حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے کہ اجتماعی وانفرادی اعمال کا اجتماع اور انسان پر منفی اور مثبت اثر مرتب ہوتا ہے۔ چونکہ عُمرانیات کے ماہرین کی نظروں سے یہ پہلو اوجھل رہا اسی لیے عُمرانی تجزیوں میں ظاہری حالات اور واقعات کو ہی سامنے رکھا جاتا رہا اور اسی کے مطابق نتائج مرتب کیے جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت کے مطابق قریش کی ایک جماعت حضرت ابو طالب کے پاس آئی اور ان سے یہ پُرزور مطالبہ کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو توحید کی دعوت دینے اور ہمارے معبودوں کو بُرا کہنے سے روکیں۔ تو نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ کہہ کر کہ اس عمل سے اُن کی حکومت عرب وعجم پر قائم ہو جائے گی، توحیدی عقائد کی دعوت دی۔

ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

قال ﷺ یا عم أفلا أدعوهم الی ما هو خیر لهم ؛ قال و الام تدعوهم ؛ قال ﷺ أدعوهم أن یتکلموا بکلمة تدین لهم بها العرب و یملکون بها العجم ۔فقال ابو جهل لعنه الله من بین ا لقوم ما هی و أبیك لنعطینکها و عشر أمثالها قال ﷺ تقولون لا اله الا الله فنفروا و قالوا اسلنا غیرها(۵۸)

یعنی حضور ﷺ نے فرمایا چچا جان کیا میں انہیں بڑی بھلائی کی طرف نہ بلاؤں۔ حضرت ابو طالب نے کہا وہ کیا ہے؟ فرمایا یہ ایک کلمہ کہہ دیں صرف اس کے کہنے سے سارا عرب ان کے ماتحت ہو جائے گا۔ اور سارے عجم پر ان کی حکومت ہو جائے گی۔ ابو جہل ملعون نے سوال کیا کہ اچھا بتلاؤ وہ ایسا کون سا کلمہ ہے؟ ایک نہیں ہم دس کہنے کو تیار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہو لا الہ الا اللہ تو اُنھوں نے نفرت کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم سے اس کے علاوہ سوال کرو۔

اس روایت سے توحید کے عمرانی اثرات کا علم ہوتا ہے کہ توحید کے اقرار اور اُس کے مطابق زندگی گزارنے سے دنیا کی قیادت نصیب ہوئی ہے۔ بعد میں پیش آنے والے حالات بھی نبی کریم ﷺ کی اسی گفتگو کی تشریح ہیں جب خلافت راشدہ اور دیگر اسلامی حکومتیں تقریباً پوری دنیا پر چھا گئیں اور عرب وعجم ان کے زیرنگیں ہو گیا۔ اس کی کوئی مادی توجیہہ ناممکن ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِي الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِينَ مِن قَبۡلِهِمۡ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِينَهُمُ

الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيئاً(۵۹)

اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں۔ اور نیک عمل کریں کہ وہ اُن کو اُسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح انسے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ان کے لیے اُن کے اُس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے پسند کیا ہے۔ اور اُن کی موجودہ حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔ بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

سورہ نور کی اس آیت میں اللہ نے ایمان اور نیک اعمال کرنے والے مسلمانوں سے تین وعدے فرمائے ہیں۔ استخلاف فی الارض، تمکین دین اور حالتِ خوف کے بعد امن وسکون۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ مسلمانوں کے اعمال اُن کے دنیوی حالات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

هذا وعد من الله تعالىٰ لرسوله صلوٰت الله وسلامه عليه بأنه سيجعل أمته خلفاء الارض أي أئمة الناس والولاة عليهم، و بهم تصلح البلاد، و تخضع لهم العباد و ليبدلنهم من بعد خوفهم أمنا و حكماً فيهم و قد فعله تبارك كما اخبر و وعده رسول الله(۶۰)

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے یہ وعدہ فرما رہے ہیں کہ آپ کی اُمت کو وہ زمین کا مالک بنا دے گا لوگوں کا امام اور والی بنائے گا۔ اور اُن کی وجہ سے ملکوں کی اصلاح ہوگی اور بندے اُن کے تابع ہونگے اور اُن کے خوف کو ضرور امن سے بدل دے گا حکومت اُن کی ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اس نے خبر دی تھی اور اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرمایا تھا۔

مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدے اس شرط کے ساتھ کیے ہیں کہ وہ عبودیت کے دائرے میں رہیں۔ نیز شرک نہ کریں۔ اگر مسلمانوں نے اس پر عمل کیا تو ضرور بالضرور اس اُمت کو فتح سے سرفراز کیا جائے گا۔ اور دنیا کی حکومت عطا کی جائے گی۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اگر ایمان کی حفاظت نہ کی گئی اور ناپسندیدہ اعمال اختیار کیے گئے تو کیا تبدیلی واقع ہوگی؟ اُن پر پھر خوف کی حالت مسلط کردی جائے گی اور حکومت کی بجائے محکومی اُن کا مقدر بنے گی۔

ابن کثیر اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فالصحابة ﷺ لما كانوا أقوم الناس بعد النبي ﷺ بأوامر الله عزوجل و أطوعهم الله كان نصرهم بحسبهم أظهروا كلمة الله في المشارق و المغارب و أيدهم تائيداً عظيماو حكموا في سائر العباد و البلاد، ولما قصر الناس بعدهم في بعض الأوا مر نقص ظهورهم بحسبهم (۶۱)

یعنی صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے بعد لوگوں میں اللہ کے اوامر پر سب سے زیادہ قائم تھے اور اللہ تعالیٰ کی سب لوگوں سے زیادہ اطاعت کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی حالت کے مطابق مدد کی اور اللہ کا کلمہ مشارق اور مغارب پر چھا گیا اور ان کی تائید ہوئی اور اُنھوں نے تمام بندوں اور ملکوں پر حکومت کی اور جب لوگوں نے اوامر میں کوتاہی کی تو اُن کی حالت کے مطابق نقصان واقع ہو گیا۔

چنانچہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے انہیں دنیا میں بھی اس کا پھل ملا۔ اور اگر اعمال میں کوتاہی ہوگی تو فوراً معاشرے پر اس کے اثرات ظاہر ہو جائیں گے۔

نصیر احمد ناصر لکھتے ہیں۔

اسلامی معاشرے کی دوسری نظریاتی بنیاد عقیدہ مکافات عمل ہے۔ اسے مختصراً اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ ہر عمل کا ردعمل یا نتیجہ ہوتا ہے اور فاعل اپنے فعل کے نتائج کا ذمے دار اور مرہون ہوتا ہے۔ وہ مزرع حیات میں جو بوتا ہے اُسے اس دنیا اور آخرت دونوں میں کاٹنا پڑتا ہے (۶۲)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلَو اَنَّهُم اَقَامُوا التَّورٰاةَ وَالاِنجِيلَ وَمَآ اُنزِلَ اِلَيهِم مِّن رَّبِّهِم لَاَكَلُوا مِن فَوقِهِم وَمِن تَحتِ اَرجُلِهِم (۶۳)

کاش اُنہوں نے تورات اور انجیل اور اُن دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں۔ ایسا کرتے تو ان کے لیے اُوپر سے رزق برستا اور نیچے سے اُبلتا۔

قاضی ثناء اللہ اس آیت پر تفصیلی بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

والحاصل ان ما كف الله عنهم من الرزق بشوم كفرهم و معاصيهم لا لبخل به تعالى الله عن ذلك علواً كبيراً (۶۴)

یعنی ان پر رزق کی تنگی اللہ تعالیٰ کے بخیل بن جانے کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ ان کے کفر و

معاصی کی نحوست کی وجہ سے ہوئی۔
مؤلف مواہب الرحمٰن لکھتے ہیں:

کنایہ ہے کہ اُن پر رزق کی وسعت دے دی جاتی اور ہر طرف سے ان پر رزق کا فیضان ہوتا (۰۰۰) اور حضرت ابن عباس نے قولہ لَاَ کلوا مِن فوقھم میں کہا کہ مراد یہ ہے کہ آسمان ان پر ادرار کرتا اور زمین ان کے لیے خوب اُگاتی اور آیت میں دلیل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا روزی میں کشائش کا سبب ہے تو بندہ مطیع کو بہت کچھ رزق بواسطہ اطاعت الٰہی حاصل ہوتا ہے اور یہ آیت

بمانند قوله ولوان اهل القرىٰ امنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض

یعنی جو گاؤں ہلاک کیے گئے اگر وہاں کے لوگ ایمان لاتے اور شرک سے باز رہتے تو ان پر اللہ تعالیٰ آسمان و زمین سے برکات کھول دیتا۔

اس طرح قرآن یہ بیان کرتا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کا ایک اثر پانی اور دیگر حلال رزق کی فراہمی کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ مغفرت کے علاوہ متعدد دنیوی نعمتیں استغفار کی بدولت نازل ہوتی ہیں۔

فَقُلتُ استَغفِرُوا رَبَّكُم اِنَّهُ كَانَ غَفَّاراً ○ يُرسِلِ السَّمَآءَ عَلَيكُم مِّدرَاراً ○ وَّيُمدِدكُم بِاَموَالٍ وَّبَنِينَ وَيَجعَل لَّكُم جَنّٰتٍ وَّيَجعَل لَّكُم اَنهٰراً (٦٦)

پس میں نے کہا اپنے رب سے بخشش مانگو بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ آسمان سے تم پر مینہ برسائے گا اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لیے باغ بنا دے گا اور تمہارے لیے نہریں بنا دے گا۔

سورہ نوح کی ان آیات میں معاشرے سے یہ اُصولی بات کی گئی ہے۔ کہ اگر اپنی غلط روش اور بدکرداری پر سچے دل سے معافی مانگ لی جائے تو نہ صرف موجودہ حالات پر اس کا اثر پڑے گا۔ بلکہ مستقبل میں بھی بہت سے دنیوی انعامات سے نوازا جائے گا۔ جیسے بارش، اولاد اور مال وغیرہ۔

انسانی عُمران کو نقصان پہنچانے والے حالات و واقعات اُس کے اپنے بُرے اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض صورتوں میں رُونما ہونے والے تکلیف دہ حالات مومنوں کے درجات کی بلندی اور گناہوں کی مغفرت کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ احادیث میں ایسے بُرے اعمال کی نشاندہی بھی کی گئی ہے جن کی وجہ سے عُمران کو مہلک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی واضح

فرما دیا ہے کہ قوموں کے حالات اُن کے اعمال کا براہ راست نتیجہ ہوتے ہیں۔

وَمَآ اَصَابَكُم مِّن مصيبةٍ فَبِمَا كَسَبَت اَيدِيكُم وَيَعفُوا عَن كَثِيرٍ (٦٧)

تم پر جو بھی مصیبت آئی ہے۔ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے اور بہت سے قصوروں سے وہ ویسے ہی درگزر کر جاتا ہے۔

اگر کوئی قوم یا معاشرہ غلط روش، سرکشی اور قوانین الٰہیہ سے بغاوت کی راہ اختیار کرتا ہے۔ تو مکافاتِ عمل کے نتیجہ میں خود اپنے اعمال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہر بُرا عمل اپنے ہاتھوں سے نکلنے والا وہ تیر ہوتا ہے جس کا نشانہ بالآخر چلانے والا خود ہی ہوتا ہے۔ ایسی چند سزاوں کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

امام مالکؒ ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

عن عبداللہ بن عباس إنّہ قال ما ظَهَرَ الغلول فی قومٍ قط إلّا أُلقی فی قلوبھم الرعب ولا فشا الزنا فی قومٍ قط إلّا کثر فیھم الموتُ ولا نقص قوم المکیال و المیزان الا قطع عنھم الرزق ولا حکم قوم بغیر الحق الا فشا فیھم الدّم ولا ختر قوم بالعھد إلّا سلط علیھم العَدُوُّ (٦٨)

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب کسی قوم میں مال غنیمت کے اندر خیانت کھلم کھلا ہونے لگے تو اُن کے دِلوں میں رعب ڈال دیا جاتا ہے جب کسی قوم میں زنا عام طور سے ہونے لگے تو اس کا رزق اُٹھا لیا جاتا ہے۔ جب کوئی قوم فیصلوں میں ناانصافی کرتی ہے تو ان میں خونریزی پھیل جاتی ہے۔ جب کوئی عہد کو توڑنے لگے تو اس پر دشمن مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔

قابل غور بات ہے کہ اگر دشمن کا رُعب، اموات کی کثرت، رزق میں کمی خونریزی اور دشمن کا تسلط جس عُمران پر واقع ہو جائیں تو اس کی ہلاکت میں کیا شُبہ رہ جاتا ہے۔ تباہی و بربادی سے بچنے کا احساس اگرچہ ہر معاشرے میں پایا جاتا ہے لیکن اسلامی عُمرانیات کے تحت جب تک اُن اصل خرابیوں کا تدارک نہ کیا جائے۔ جن کی وجہ سے اُن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو معاشرے کے حالات میں بہتری ناممکن ہے۔ اہم ترین صالح اعمال کی تعیین یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ اچھے اور بُرے اعمال کے اثرات انسانی عُمران پر مرتب ہوتے ہیں۔ صالح اعمال کی بجا آوری معاشرتی ذمہ داری بن جاتی ہے۔ لیکن ہر فرد کے لیے تمام نیک اعمال کا بجالانا ناممکنات میں سے ہے اس لیے کہ مختلف وجوہ کی بناء پر بہت سے نیک اور صالح اعمال سرانجام دینے کا انسانی زندگی میں موقع ہی نہیں ملتا۔ بنابریں اسلامی

عمران میں یکسانیت اور یک رنگی پیدا کرنے کے لیے چند بنیادی اعمال کی تعیین ضروری اور لازمی ہو جاتی ہے۔ یہ اعمال ایسے ہونے چاہیں جو عمران کے علاوہ فرد کے لیے بھی نفع آور ہوں۔ لیکن ایسے اعمال کون کون سے ہیں؟ اور کتنے ہیں؟ اس ضمن میں قبیلہ قیس کے ایک شخص ابن المنفق ؓ کی ایک روایت بہت اہم ہے۔

میں نے آنحضرت ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑلی (۰۰۰) میں نے عرض کیا دو باتیں ہیں جنہیں میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں آتش دوزخ سے مجھے کیا عمل نجات دے سکتا ہے۔ اور جنت کے لیے کیا عمل درکار ہے۔ آپ نے پہلے تو آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا پھر سر مبارک نیچے جھکا لیا اس کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا اگر چہ تو نے سوال تو بُہت مختصر کیا مگر بات بڑی لمبی دریافت کی ہے ۔ اچھا تو اب اس کو مجھ سے خوب سمجھ لے صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کر اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کر، فرض نماز اچھی طرح پڑھا کر، فرض زکوٰۃ دیا کر، رمضان کے روزے رکھا کر اور جو بات تو چاہتا ہے کہ لوگ تیرے ساتھ کریں وہی تو اُن کے ساتھ کیا کر اور جو بات تو نہیں چاہتا کہ لوگ تیرے ساتھ کریں دوسروں کو بھی اُس سے معاف رکھا کر اس کے بعد آپ نے فرمایا اچھا لے اب سانڈنی کا راستہ چھوڑ۔(۶۹)

مندرجہ بالا حدیث بلا شبہ جوامع الکلم کی قبیل سے ہے۔ ایک شخص آپؐ سے حج کے موقع پر میدان عرفات میں ایک انتہائی اہم سوال دریافت کرتا ہے۔ جس کے بارے میں آپؐ خود فرماتے ہیں" لئن کنت اوجزت فی المسأ لہ لقد اعظمت و اطولت ۔ اب اگر اس موقع پر آپ تمام اعمال صالحہ کا تذکرہ فرماتے تو موقع کی مناسبت اور وقت کی کمی کے باعث شاید ممکن نہ ہوتا لیکن آپؐ نے انتہائی اختصار سے مکمل جواب ارشاد فرمایا۔ اس میں ارکان اسلام کے علاوہ ایک اُصول مزید بیان فرمایا کہ جیسا سلوک اپنے ساتھ چاہتا ہے ویسا ہی لوگوں سے کر۔ جبکہ اس میں حج کا ذکر نہیں ہے۔ اس روایت کے دوسرے طریق میں بھی اسی قسم کا مضمون ہے لیکن اس میں صرف ارکان اسلام کا تذکرہ ہے۔

قال بخ بخ لئن کنت قصرت فی الخطبۃ لقد أبلغت فی المسئلۃ
اِتَّقِ اللہ لا تشرك باللہ و تقیم الصّلوٰۃ و تؤدِّی الزکوٰۃ و تحج
البیت و تصوم رمضان خَلِّ عن طریق الرِّکاب(۷۰)

آپؐ نے فرمایا بہت خوب بہت خوب تم نے درخواست تو مختصر کی مگر سوال بُہت گہرا کیا ہے۔ اللہ سے ڈر اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کر باقاعدہ نماز پڑھا کر' زکوٰۃ دیا کر' حج کر' رمضان کے روزے رکھا کر اس کے بعد فرمایا اچھا

اب میری سواری کے سامنے سے ہٹ جا۔

یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ ارکان اسلام اعمال صالحہ میں انتہائی اہم مقام رکھتے ہیں اِسی مضمون کی دیگر احادیث بھی موجود ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ارکانِ اسلام اور اسلامی عمران کا انتہائی گہرا تعلق ہے اور ان کی عدم ادائیگی تمام عمران پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کی شناخت ہی ارکان اسلام ہیں۔

بخاری کی ایک روایت ہے کہ

قال رسول اللہ ﷺ بنی الاسلام علیٰ خمسٍ شھادۃِ ان لا الہ الا اللہ و انّ محمدا رسول اللہ و اِقامِ الصّلوٰۃِ و ایتآءِ الزکوٰۃِ والحجّ وصوم رمضانَ(۷۱)

آپ آنحضرتؐ نے فرمایا اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر اُٹھائی گئی ہے۔ گواہی دینا اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی سچا خُدا نہیں ہے اور محمد اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور نماز کو درستی سے ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

مندرجہ بالا احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ارکان اسلام میں کوئی ایسی خصوصیت پوشیدہ ہے کہ اِن پر کلی طور پر عمل کرنے سے اسلامی عُمران کے حقیقی خواص نہ صرف برقرار رہتے ہیں بلکہ اجتماعی زندگی کو آگے بڑھانے میں بھی بہت مدد دیتے ہیں۔

ارکانِ اسلام کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ ان کا تعلق پورے اسلامی عُمران سے ہے کوئی مسلمان ایسا نہیں جس پر یہ عائد نہ ہوں۔ اگر زکوٰۃ اور حج کی ادائیگی عدمِ استطاعت کی وجہ سے نہیں کی جاسکتی تو مالدار ہونے کے بعد اُس کی ادائیگی کی نیت کی جانی ضروری ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کے مطابق اسلام ایک خدائے واحد کے سامنے عبادت کے لیے سرنگوں ہو جانے کا نام ہے۔ دین اسلام میں ایک قسم کے احکام وہ ہیں جو سب پر یکساں واجب ہیں اور دوسری قسم کے احکام خاص خاص افراد سے متعلق ہیں۔ پہلی قسم میں ایک بڑا حصّہ فرض علی الکفایہ ہر شخص پر واجب نہیں مثلاً جہاد، امر بالمعروف، حاکم یا قاضی کا تقرر وغیرہ۔ ان سب کا تعلق خاص مصالح اور عارضی اسباب سے وابستہ ہے۔ دین کا دوسرا حصّہ وہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ جیسا کہ قرض کی ادائیگی، غصب و عاریت، امانت وغیرہ اگر صاحب حق معاف کر دے تو یہ ابواب بھی معطل ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح صلہ رحمی، حقوق اولاد و پڑوسی وغیرہ اِن احکام کا تعلق بھی خاص خاص افراد سے ہے وہ بھی خاص

خاص اوقات میں اِن تمام احکام پر غور کیا جائے کہ کونسے احکام ہیں جو ہر فرد پر واجب ہیں اور کسی وقتی مصلحت پر بھی مبنی نہیں اور انسان کے انقیاد ظاہری و باطنی کا ایک مکمل ثبوت بھی ہیں تو وہ یہی پانچ ارکان نکلیں گے۔

ابن تیمیہؒ ارکان اسلام کو خصائص المسلمین قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لا یشترك الناس فی وجوب عمل بعینه علی كل أحد قادر سوی الخمس، فان زوجة زید و أقاربه لیست زوجة عمرو و أقاربه، فلیس الواجب علی هذا، مثل الواجب علی هذا بخلاف صوم رمضان، وحج البیت، والصلوات الخمس والزكاة(۴۲)

ارکان اسلام کا باہمی تعلق

اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جس طرح پورے اسلامی عمران کا ارکان اسلام سے گہرا تعلق ہے اُسی طرح دیگر تمام اعمال کا بھی ارکان اسلام سے قریبی ربط ہے۔ گویا ارکان اسلام پورے اسلامی معاشرے اور اُن کے تمام اعمال صالحہ کے درمیان ایک رابطہ کا کام کرتے ہیں۔ لیکن ان پانچ ارکان میں سے چند کا بجالانا اور چند کا ترک کردینا' باوجود فرض ہونے کے' انتہائی نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

ابن رجبؒ لکھتے ہیں۔

و أعلم أن هذه الدعائم الخمس بعضها مُرتبط ببعض و قد روی أنه لا یقبل بعضها بدون بعض(۴۳)

یعنی جان لو کہ یہ پانچ ستون ایک دوسرے سے مربوط ہیں جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر قبول نہیں کیا جاتا۔

زیاد بن نعیم الحضرمیؒ روایت کرتے ہیں۔

قال رسول الله ﷺ: أربع فرضهن الله فی الاسلام فمن أتی بثلاث یُغنین عنه شیئاً حتی یاتی بهن جمیعاً الصلوٰة و الزكاة و صیام رمضان و حج البیت(۴۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے چار چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا ہے نماز' زکوٰۃ' روزے اور بیت اللہ کا حج جو شخص ان میں تین ادا کرے وہ اس کے لیے کچھ مفید نہیں ہوسکتیں تاوقتیکہ سب نہ کرے۔

اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں۔

قال رسول الله ﷺ: الدين خمس لا يقبل الله منهن شيئاً دون شئي: شهادة أن لا اله الا الله وأن محمداً رسول الله ﷺ وايمان بالله و ملائكته و كتبه و رسله، وبالجنة والنار، والحياة بعد الموت هذا الواحدة، والصلوات الخمس عمود الدين لا يقبل الله الايمان لا بالصلاة، الزكاة طهور من الذنوب ولا يقبل الله الايمان ولا الصلوة الا بالزكاة فمن فعل هؤلاء رمضان فترك صيامه متعمداً لم يقبل الله منه الايمان ولا الصلاة ولا الزكاة، فمن فعل هولاء الاربع ثم تيسر له الحج فلم يحج ولم يوص بحجته ولم يحج عنه بعض أهله لم يقبل الله منه الاربع التى قبلها(۷۵)

گویا ارکان اسلام کی قبولیت تمام ارکان کی ادائیگی سے مشروط ہے اگر ایک کو ترک کر دیا جائے تو دوسرا قبول نہیں کیا جاتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

أمرنا باقام الصلاة وايتاء الزكاة فمن لم يزك فلا صلاة له(۷۶)

ابن رجب مندرجہ بالا حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

فمن قام بهذه الأركان على وجهها حصل له القبول بهذا المعنى، ومن أتى ببعضها دون بعض لم يحصل له ذلك وان كان لا يعاقب على ما أتى به منها عقوبة تاركه بل تبرأ به ذمته(۷۷)

ارکان اسلام اور دیگر اعمال صالحہ:

سلیمان ندوی ارکان اسلام کا تمام نیک اعمال سے ربط ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

درحقیقت یہ چاروں فریضے عبادت کے سینکڑوں وسیع معنوں اور ان کے جزئیات کے بے پایاں دفتر کو چار مختلف بابوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک فریضۂ عبادت اپنے افراد اور جزئیات پر مشتمل اور اُن سب کے بیان کا مختصر عنوان باب ہے۔ گویا ارکان اسلام دیگر اعمال کا خلاصہ ہیں۔ اور انہیں سرانجام دینے والا اس طرح تمام اعمال صالحہ کا بجالانے والا ہے۔(۷۸)

آپ مزید لکھتے ہیں۔

① بندوں کے وہ تمام اچھے اور نیک اعمال جن کا تعلق تنہا خالق اور مخلوق سے ہے ایک مستقل باب ہے جس کا عنوان نماز ہے۔

② وہ تمام اچھے اور نیک کام جو ہر انسان دوسرے کے فائدہ اور آرام کے لیے کرتا ہے صدقہ اور زکواۃ ہے۔(۷۹)

نماز کی با جماعت ادائیگی اسلامی عُمران پر کس قدر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صفوں کی ترتیب کا خیال نہ رکھا جائے تو مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق متاثر ہو جاتا ہے۔ صفوں کی ترتیب اور اسلامی عُمران کے اتحاد کا باہمی تعلق انتہائی حیران کن امر ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں۔

کان رسول الله ﷺ یُسوِی بها القداح حتی رای آنّا قد عقلنا عنه ثم خرج یوما فقام حتی کاد آن یکبر فرای رَجُلاً بادیاً صَدره من الصف فقال عباد الله لتسوُّن صفوفکم آو لیخالفن الله بین وجوهکم (۸۰)

رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو برابر کیا کرتے تھے یہاں تک کہ گویا آپ برابر کرتے اُن کو تیروں سے جب ہمیں اس کا پورا علم ہو گیا تو ایک روز آپؐ تشریف لائے اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے قریب تھا کہ تکبیر کہی جائے تو آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا آپؐ نے فرمایا خدا کے بندو! اپنی صفوں کو برابر کرو ورنہ خدا تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔

یعنی أدب الظاهر علامة ادب الباطن فان لم تطیعوا أمر الله و رسوله فی الظاهر یودّی ذلك الی اختلاف القول فیورث کدورة فیسری ذلك الی ظاهر کم فیقع بینکم عداوة بحیث بعرض بعضکم عن بعض (۸۱)

یعنی ظاہری ادب باطنی ادب کی علامت ہے۔ اگر تم اللہ اور اسکے رسولؐ کے حکموں کی ظاہر میں اطاعت نہیں کرو گے تو اس سے تمہارے درمیان باتوں کا اختلاف آجائے گا جس کی وجہ سے نفرت پیدا ہو گئی وہ تمہارے ظاہر پر چھا جائے گی پس تمہارے درمیان دشمنی واقع ہو جائیگی اور تم ایک دوسرے

سے تعرض کرو گے۔نماز اسلام کا ایک ایسا رکن ہے جو پورے عمران کو متحرک رکھتا ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ محلہ کی سطح پر، ہفتہ میں ایک بار چند محلوں یا بستیوں میں جمعہ کا اجتماع اور شہر کی سطح پر عید کی نماز پڑھنا اسلامی عمران کا باہمی ربط واضح کرتا ہے۔ اگر نماز ترک کر دی جائے تو یقینی طور پر اسلامی عمران کا جوہر ضائع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کہ اسلامی عمران کی زندگی کا محور نماز ہے۔نماز کی اُس کے آداب کے ساتھ ادائیگی نہ صرف عصری تقاضوں کے لیے مستعد رکھتی ہے بلکہ آئندہ پیش آنے والے دنیوی حالات کا حل بھی اِسی نظام میں پوشیدہ ہے۔ اسلامی عمران کے تشکیلی طبقات قرآنِ کریم میں اعمال کے اعتبار سے اسلامی عمران کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ثم اور ثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات(۸۲)

اس آیت مبارکہ کی تشریح میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت فرماتے ہیں۔

فاما الذین سبقوا فاولئك الذین یدخلون الجنۃ بغیر حساب واما الذین اقتصدوا فاولئك الذین یحاسبون حسابا یسیراً واما الذین ظلموا انفسھم فاولئك یحبسون طول المحشر ثم ھم الذین یتلقاھم اللہ برحمتہ فھم الذین یقولون الحمد اللہ الذی اذھب عنا الحزن(۸۳)

جو لوگ نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں وہ جنت میں کسی حساب کے بغیر داخل ہونگے اور جو بیچ والے ہیں ان سے محاسبہ ہوگا۔ مگر ہلکا محاسبہ رہے وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔تو وہ محشر کے پورے طویل عرصہ میں روک رکھے جائیں گے۔ پھر انہی کو اللہ اپنی رحمت میں لے لیگا اور یہی لوگ ہیں جو کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔

ابن کثیر آیت بالا کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ جس کتاب کا اوپر ذکر ہوا تھا۔اس بزرگ کتاب یعنی قرآن کریم کو ہم نے اپنے چیدہ چیدہ بندوں کے ہاتھوں میں دیا یعنی اس امت کے پھر ان میں تین قسم کے لوگ ہو گئے۔ بعض کو تو ذرا کچھ آگے پیچھے ہو گئے وہ ظالم لنفسہ کہلائے۔ اُن سے کچھ حرمت والے کام بھی سرزد ہو گئے۔ بعض درمیانے درجے کے رہے جنہوں نے محرمات سے اجتناب کیا واجبات

بجالاتے رہے لیکن کبھی کبھی کوئی مستحب کام اُن سے چھوٹ بھی گیا اور کبھی کوئی ہلکی سی نافرمانی بھی سرزد ہوگئی۔ بعض درجوں میں بہت ہی آگے نکل گئے۔ واجبات چھوڑ مستحبات کو بھی اُنہوں نے نہ چھوڑا(۸۴)

اس سے مراد یہ ہے کہ اسلامی عمران افراد کی اچھی صلاحیت اور نیکی کی استعداد کی بناء پر مختلف اقسام میں منقسم ہوتا ہے۔ نہ کہ خاندانی وجاہت' دولت یا اثر ورسوخ یا کسی اور دنیوی امتیاز کی بنا پر اسلامی عمران میں مختلف طبقات کا موجود ہونا اور ان کے باہمی فرق کے بارے میں قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر رہنمائی ملتی ہے۔

سورہء حجرات میں آتا ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (۸۵)

یہ بدوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ان سے کہوتم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہوگئے ایمان ابھی تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔

اسی سورت میں آگے ایمان والوں کا تذکرہ ہے۔ جو اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں اور اپنا مال بھی خرچ کرتے ہیں۔ چونکہ یہ درجہ بندی اعمال اور ایمان کے تناظر میں ہے۔ لہذا یہاں تمام اعراب یعنی بدوی لوگ مراد نہیں ہیں۔

اسلامی عمران کی ساخت کے بارے میں شاہ ولی اللہ نے اسلامی تعلیمات کی مطابقت کرتے ہوئے ان کی مزید تشریح وتوضیح کی ہے۔

آپ لکھتے ہیں۔

آیات و احادیث بسیار است متفق درین مضمون که اُمت مرحومه منقسم است بسه قسم اوّل مقربین و سابقین دوئم ابرار و مقتصد سوم ظالم لنفسه (۸۶)

یعنی بہت سی آیات اور احادیث ہیں جو اس مضمون میں متفق ہیں کہ امت مرحومہ تین قسموں پر منقسم ہے۔ اول مقربین و سابقین دوئم ابرار و مقتصد سوئم ظالم لنفسہ یعنی گناہوں کے ارتکاب سے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے۔

شاہ ولی اللہ تاویل الاحادیث میں لکھتے ہیں۔

منهم السابق الذى يقع قول الامام فى قلبه بموقع يكون أدعىٰ

له من راوية ومنهم المقتصد ومنهم ظالم لنفسه(۸۷)

ظالم لنفسہ

ظالم لنفسہ کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے۔

وَاٰخِرُونَ مُرجَونَ لِاَمرِ اللهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُم وَ اِمَّا يَتُوبُ عَلَيهِم وَاللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۸۸)

کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کا معاملہ ابھی خدا کے حکم پر ٹھہرا ہوا ہے۔ چاہے انہیں سزا دے اور چاہے ان پر از سر نو مہربان ہو جائے۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکیم و دانا ہے۔

بعض علما اس طرف گئے ہیں کہ ظالم لنفسہ سے مراد کفار ہیں لیکن ابن کثیرؒ نے واضح الفاظ میں اس کی تردید کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا بیٹا یہ سب جنتی لوگ ہیں سابق بالخیرات تو وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے جنہیں خود آپ نے جنت کی بشارت دی۔ مقتصد وہ ہیں جنہوں نے آپ کے نقش قدم کی پیروی کی یہاں تک کہ ان سے مل گئے اور ظالم لنفسہ مجھ تجھ جیسے ہیں۔ خیال فرمائے کہ صدیقہ رضی اللہ عنھا باوجود یکہ سابق بالخیرات میں سے بلکہ اُن میں سے بھی بہترین درجہ والوں میں سے ہیں لیکن کس طرح اپنے آپ کو متواضع بناتی ہیں (۸۹)

ثناء اللہ پانی پتی" لکھتے ہیں۔

واما الطبقات الثلاث فمن الذين اصطفى من عباده لانه قال فمنهم ومنهم ومنهم والكل راجع الى الذين اصطفى من عباده وهم اهل الايمان وعليه الجمهور (۹۰)

یعنی تینوں طبقات مومنوں کے ہونگے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اللہ نے اپنے منتخب بندوں کے تین طبقات ذکر فرمائے ہیں۔ تینوں جگہ منہم منہم منہم میں ضمیریں منتخب بندوں ہی کی طرف راجع ہیں۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے۔

مقتصد :

سورہ توبہ میں جہاں ان تینوں طبقات کا بیان ہے۔ دوسرے گروہ کا تذکرہ اس طرح آیا ہے۔

وَاٰخِرُونَ اعتَرَفُوا بِذُنُوبِهِم خَلَطُوا عَمَلاً صَالِحاً وَّاٰخَرَ سَيِّئاً عَسَى اللهُ اَن يَّتُوبَ عَلَيهِم ۚ اِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۹۱)

کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے قصوروں کا اعتراف کر لیا ہے۔ ان کا عمل مخلوط ہے۔ کچھ نیک ہے اور کچھ بد۔ بعید نہیں کہ اللہ ان پر پھر مہربان ہو جائے کیونکہ وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

شبیر احمد عثانی لکھتے ہیں۔

بعض وہ مسلمان ہیں جن سے بمقتضائے بشریت کوئی خطا و قصور سرزد ہو جائے تو نادم ہو کر بے تامل اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں۔ ان کی بھلائی اور برائی مخلوط ہے (۹۲)

سابق بالخیرات:

یہ تیسرا گروہ اسلامی عمران کا معزز ترین طبقہ ہے۔ سورہ فاطر میں انہیں سابق بالخیرات کہا گیا ہے۔ سورہ توبہ میں بھی انکا تذکرہ ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (۹۳)

وہ مہاجر و انصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی نیز وہ جو بعد میں راستبازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے اللہ اُن سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

چنانچہ سابق بالخیرات اسلامی عمران کا بہترین حصہ ہوتا ہے۔ اور صالح معاشرہ انہی کے تابع ہوتا ہے۔ سابق بالخیرات اسلامی عُمران کا مرکز اطاعت واتباع نبی ﷺ کی صورت میں بنتے ہیں۔ اور بقیہ تمام عُمران اِسی طرح اُن کے گرد اکٹھا ہوتا ہے۔ اسلامی عُمران کے طبقہ اولیٰ اور ثانیہ یعنی سابق بالخیرات اور مقتصد وابرار میں مرکز مائل رجحان پایا جاتا ہے جو کہ سنتوں اور احادیث پر عمل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جبکہ ظالم لنفسہ میں مرکز گریز رجحان پایا جاتا ہے جو کہ افعال واقوال نبوت سے بعد اور دوسری اقوام کی پیروی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اسلامی عمران کی دوہری ساخت اسلامی عُمران کی ساخت و پرداخت دوسرے تمام معاشروں سے مختلف ہے۔ اسلامی عُمران دوہری ساخت کا حامل ہے۔ اُس کی بیرونی تہہ سیاسی یا ظاہری ہے۔ جبکہ ایک روحانی یا باطنی نظام بھی ہر وقت موجود رہتا ہے۔ جس کا اصل کام اسلامی عُمران کے اصل خواص اور ساخت کو برقرار رکھنا اور ایسے عصری مسائل کو حل کرنا ہوتا ہے جو اُس کی بنیادوں کو متاثر کریں۔ اسلامی عُمران کی مختلف بحرانوں اور شدید ترین حالات میں بھی مجتمع اور برقرار رہنے والی صلاحیت انتہائی حیرت انگیز ہے۔ ایک خلیفہ یا حکمران کی ضرورت اسلامی عُمران کے مفادات کی حفاظت کے لیے ہے لیکن یہ دین کے لوازمات میں سے بھی ہے۔

اسلامی عمران کا بیرون

امام مسلم روایت فرماتے ہیں۔

عن أم سلمه رضی الله عنها ان رسول الله ﷺ قال ستكون أمراء فتعرفون و تنكرون فمن عرف برئ ومن انكر سلم ولكن من رضی و تابع قالوا افلا نقاتلهم قال لا ما صلوا (۹۴)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آئندہ تم پر ایسے حاکم مقرر ہونگے کہ ان میں اچھی باتوں کے ساتھ بری باتیں بھی ہوں گی۔اب جس نے ان کی بری باتوں کو ناپسند کیا وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگیا اور جو دل میں کڑھتا رہا وہ بھی بچا رہا،لیکن جو ان کی بری باتوں پر خوش ہوا اور ان کے ساتھ ساتھ رہا(وہ ہلاک ہوا) اس پر انہوں نے عرض کیا کہ کیا ایسے حاکموں کے ساتھ ہم مقابلہ کے لیے کھڑے ہو جائیں ۔آپ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں، جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں۔

کیونکہ کوئی بھی معاشرتی ادارہ سربراہ کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔کوئی بھی ملک یا حکومت بغیر حکمران کے نہیں چل سکتی اگر کوئی معاشرہ سربراہ سے محروم ہو جائے اور اس کا بدل نہ مل سکے تو انتشار ہر طرف پھیل جاتا ہے جس کا نتیجہ انتہائی مہلک ہوتا ہے۔اس لیے مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کا حکم ہے کہ غیر صالح حکمران کی بھی اطاعت کی جائے۔

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔

أنه يجب أن يكون فی جماعة المسلمين خليفة لمصالح لا تتم إلا بوجوده وهی كثيرة جداً يجمعها صنفان: أحدهما مايرجع إلى سياسة المدنية (من ذب الجنود التی تغزوهم و تقهرهم و كف الظالم عن المظلوم و فصل القضايا وغير ذلك) (...) و ثانيهما مايرجع إلى الملة(۳۳۰) (۹۵)

یعنی مسلمانوں کی جماعت کے لیے ایک خلیفہ ہونا ازبس ضروری ہے اجتماعی زندگی کے مصالح اس کے بغیر تکمیل پذیر نہیں ہوتے یہ مصالح بے شمار ہیں لیکن اُن کی بڑی بڑی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جن کا مرجع اور مآل سیاست مدنیہ ہے۔ (...) دوسری قسم کے مصالح وہ ہیں جن کو مصالح ملیہ کہا جاتا ہے۔

اگر ان دونوں میں سے کسی ایک مصلحت کا لحاظ نہ رکھا جائے یعنی مصالح سیاست مدنیہ کونظر انداز کیا جائے تو انتشار اور افراتفری پھیلتی ہے اور اگر مصالح ملیہ کونظر انداز کیا جائے تو کفار اور مسلمانوں میں کوئی فرق باقی نہ رہے گا چنانچہ دونوں قسم کے مصالح کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

خلافت کا انعقاد اتنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص استحقاق نہ رکھنے کے باوجود طاقت کے بل بوتے پر اسلامی مملکت پر قابض ہو جائے تو بھی اُس کے اُن احکامات کی تعمیل کرنا جو شریعت کے موافق ہوں ضروری اور لازمی ہے۔ اس صورت میں مزاحمت کرنا زیادہ خطرناک ہوسکتا ہے۔

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔

> وایں انعقاد بنابر ضرورت است زیرا که در عزل اوافنائی نفوس مسلمین و ظهور هرج و مرج شدید لازم می آیدو بیقین معلوم نیست که ایں شدائد مفضی شود بصلاح یانه یحتمل که دیگرے بدتر از اوّل غالب شور پس ارتکاب فتن که قبح اومتیقن به است چرا باید کرد برائے مصلحتے که موهوم ست و محتمل(۹۶)
>
> اور اس قسم کا انعقاد بوجہ ضرورت کے ہے کیونکہ اس کے معزول کرنے میں مسلمانوں کی جانیں تلف ہونگی اور سخت فتنہ فساد لازم آئے گا۔ اور یقین کے ساتھ معلوم نہیں کہ ان مصائب کا نتیجہ نیک ہو یا نہ ہو۔ احتمال ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ بدتر کوئی دوسرا شخص غالب ہو جائے ۔ پس ایک موہوم اور احتمالی مصلحت کے لیے ایسے فتنہ کا ارتکاب کیوں کیا جائے ۔جس کی قباحت یقینی ہے۔

اس طرح اسلامی عُمران کے لیے ایک خلیفہ کی ضرورت اس نوعیت کی ہے کہ استیلا کی صورت بھی کوئی حکمران نہ ہونے سے بہتر ہے۔ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر خلیفہ میں مطلوبہ صفات موجود نہ ہوں یا وہ زبردستی اقتدار پر قبضہ کر لے تو مصلحتوں کی وجہ سے اُس کی بیعت کی جائے گی۔ لیکن اسلامی عُمران کے برقرار رہنے کی یہ اصل وجہ نہیں ہے۔

اسلامی عُمران کا اندرون

شاہ ولی اللہؒ اسلامی عُمران کے اصل دفاعی اور مزاحمتی نظام کا انکشاف کرتے ہوئے اُسے باطنی خلافت کا نام دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

والاصحاب الخلافة الباطنية اعني المعتنين تبعليم الشرائع والقرآن والسنن و الامرين بالمعروف والناهين عن المنكر والذين يحصل بكلا مهم نصرة الدين اما بالمجاد لة كالمتكلمين اوبالموعظة الخطبا الاسلام اوبُصحبتم كمشائخ الصوفية (...) والقائمون بهذا الامرهم الذين نسميهم ههنا الخلفاء الباطنين لهم أُسوة حسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم (۹۷)

یعنی اصحاب خلافت ظاہرہ کے علاوہ اُمت میں ایک گروہ اصحابِ خلافت باطنہ کا ہے۔ یہ لوگ قرآن، سنت، شریعت کی تعلیم دیتے، نیک کاموں کا حکم کرتے اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں اُن کی باتیں دین کے لیے مدد باعث بنتی ہیں۔ خواہ یہ مدد مناظرے اور مجادلہ کی شکل میں ہو جیسے کہ متکلمین کا گروہ دین کی مدد کرتا ہے یا یہ مدد وعظ وارشاد کے ذریعے ہو جیسے کہ خطیب اور واعظ کرتے ہیں یا اُن لوگوں کی صحبت سے دین کو تقویت ملے جیسے کہ مشائخ صوفیاء ہوتے ہیں۔ (۰۰) ہم یہاں اُن کو خلفائے باطنی کا نام دیتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ التفہیات میں خلافت باطنی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والخلافة الباطنة تعليم الكتاب و الحكمة و تزكيتهم بالنور الباطن بقوارع الواعظ و جواذب الصحبة (۹۸)

شاہ ولی اللہؒ نے دونوں قسم کی خلافت کی اصل سیرت مبارکہ قرار دی ہے اس کے علاوہ آپ نے ظاہری اور باطنی خلافت میں ایک اہم فرق کی نشاندہی بھی کی ہے۔

نزاع و فرق بين الخليفة الظاهر و الخليفة الباطن من حيث ان تعدد اهل الباطن لايقضي الى تخاصم ونذاع دون الخلافة الظاهرة (۹۹)

یعنی خلیفۂ ظاہر اور خلیفۂ باطن میں فرق یہ ہے کہ اگر ایک سے زیادہ بھی خلیفۂ باطن ہوں تو اُن میں باہم نزاع کی نوبت نہیں آتی لیکن خلیفۂ ظاہر کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔

ظاہری اور باطنی خلافت ایک ہی وقت میں واقع ہوتی ہیں لیکن اُن کا دائرہ عمل الگ الگ متعین ہوتا ہے۔ اگر ظاہری خلافت درست نہج پر چل رہی ہو تو باطنی خلافت کا پورا نظام غیر مرئی ہوتا ہے

بالفاظ دیگر بالقوۃ موجود ہوتی ہے لیکن بالفعل اُس کا ظہور نہیں ہوتا۔ باطنی خلافت میں اگرچہ ایک وقت میں متعدد خلفاء ہو سکتے ہیں اس سے شاہ صاحب کی مُراد یہ ہے کہ وہ مختلف سطحوں پر اپنا کام کر رہے ہوتے ہیں۔لیکن عام طور پر کسی بڑے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ایک ہی فرد کو کھڑا کیا جاتا ہے جو اُس فتنہ کا مقابلہ کرتا ہے۔اور سلیم الفطرت افراد اُس کا ساتھ دیتے ہیں۔

اسلامی عُمران کی ایک مستقل شکل ہے۔جس کو تبدیل کیا جانا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ تاریخ سے مربوط ہے۔جس کی تبدیلی انسانی طاقت سے باہر ہے۔ بالفاظ دیگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو واقعات رونما ہوئے یعنی خلافت راشدہ کا قیام اور خلافت راشدہ کے ذریعہ دین کا استحکام اور اشاعت اُس میں اللہ تعالیٰ کی مکمل رضامندی شامل تھی بلکہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی چاہت کے مطابق واقع ہوئے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے انسانوں کی فلاح و بہبود اور ارتفاق رابع کے قیام کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ اور یہ ہدایت اور رہنمائی قرآن و حدیث آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسنت سے ہی مل سکتی ہے۔

نبوی تربیت یافتہ عُمران

قرآن کریم کی بہت سی آیات اور نبی کریم ﷺ کی کثیر روایات اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ اُمت مسلمہ کی پندرہ سو سال کی تاریخ بھی اسی پر گواہ ہے کہ اگر کبھی کسی نے بھی اس عقیدے سے ہٹنے کی کوشش کی یا مسلمانوں کو کسی نئی نبوت کے دھوکہ میں لانے کی کوشش کی تو علمائے کرام نے اسے ناکام بنادیا۔

ابن حزمؒ لکھتے ہیں۔

وقد صح عن رسول الله ﷺ بنقل الكواف التي نقلت نبوته واعلامه وكتابه انه اخبر انه لانبي بعده(۱۰۰)

یعنی جن حضرات نے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور معجزات اور قرآن مجید کو نقل کیا ہے ان میں کثیر تعداد کی نقل سے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بھی ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آئندہ امت کی اصلاح کیونکر ہوگی؟ بگاڑ تو لازمی طور پر پیدا ہوگا کیونکہ حالات بدلتے رہتے ہیں۔لیکن پہلے تو ایک نبی کے رخصت ہونے کے کچھ عرصہ بعد دوسرا نبی آجاتا تھا۔اب قیامت تک کیسے اصلاح ہوگی۔قرآن پاک کیسے اور کہاں محفوظ رہے گا؟ سیرت النبی ﷺ کی حفاظت کیسے ہوگی؟ اور

آپ کی احادیث اور سُنّتیں کس طریق کار کے تحت محفوظ ہوں گی؟ اب یہ بھی ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت انسانی عُمران کی طرف ہوتی ہے۔ اس لیے لازمی طور پر نبی کریم ﷺ کی وراثت علم وعمل کے لیے ایک ظرف عُمران درکار تھا۔ جہاں یہ سب کچھ محفوظ ہو جائے۔ اور آئندہ نسلوں کو منتقل ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔

ترکت فیکم أمرَین لَن تضلوا ماتمسکتم بھما کتاب وسنة نبیّه(۱۰۱)

میں نے تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے۔

یہی حدیث تھوڑے فرق کے ساتھ ابن عبدالبر روایت کرتے ہیں۔

قال صلی الله علیه وسلم ترکت فیکم اثنتین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب الله وسُنتی(۱۰۲)

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے دو چیزوں کے بارے میں بتایا ہے جو آپ نے ترکہ کے طور پر چھوڑیں یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ﷺ غیر تربیت یافتہ اور نااہل لوگوں میں قرآن اور سنت جیسی بے مثل وبے نظیر چیزیں چھوڑ دیں اس کا جواب صرف یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے تربیت یافتہ اصحاب میں یہ چیزیں چھوڑیں اور آپ سے حدیث میں براہ راست انہی سے مخاطب ہیں۔ اس لیے درحقیقت اس حدیث میں دو چیزوں کا نہیں بلکہ تین کا ذکر ہے۔ اور یہ وہ خاص گروہ ہے جس نے نبی کریم ﷺ سے براہ راست تربیت پائی۔ آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور آپ کی صحبت کا اعزاز حاصل کیا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ امت کے تمام افراد پر سبقت لے گئے۔

وعن ابن مسعود قال من کان مستناً فلیستن بمن قدمَات فَاِنَّ الحیّ لاتومن علیه الفتنة اولئك اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم کانوا افضل ھٰذہ الامة ابرھا قلوباً واعمقھا علما واقلھا تکلُّفًا اِختارھم الله لِصُحبَة نِبیّه ولاقامة دینه فاعرفوالھم فضلھم واتبِعُوھُم عَلےٰ اثرھم وتمسکوابما استطعتم من اخلاقھم وسیرھم فانھم کانواعلی الھُدٰی

المستقیم (۱۰۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی طریقہ کی پیروی کرے پس اس کو چاہئے کہ وہ ان لوگوں کے طریقے کی پیروی کرے جو فوت ہو گئے ہیں۔ اس لیے کہ زندہ آدمی فتنہ سے محفوظ نہیں ہوتا۔ اور وہ محمد ﷺ کے اصحاب ہیں جو اس امت کے افضل لوگ تھے۔ دلوں کے اعتبار سے انتہا درجہ کے نیک، علم کے اعتبار سے کامل اور بہت کم تکلف کرنے والے۔ ان کو خدا نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لیے پسند کیا تھا اور اپنے دین کو قائم رکھنے کے لیے۔ پس تم ان کی بزرگی سمجھو اور ان کے نقش قدم پر چلو اور جہاں تک ممکن ہو ان کے عادات و اخلاق کو اختیار کرو۔ وہی لوگ صراط مستقیم پر ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے اس جماعت کو اپنے بعد آنے والے تمام انسانوں کی رہنمائی کے لیے تیار فرمایا تھا۔ اور ان کی اس طرح تربیت فرمائی تھی کہ ان لوگوں میں سے ہی حکمران، سپہ سالار، فقہاء، مفسرین، محدثین، قاضی بنے جن کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔

قرآن اس تربیت یافتہ جماعت کی تیاری اور موجودگی کی گواہی دیتا ہے۔

وقال تعالیٰ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْئَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيمًا (۱۰۴)

محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں۔ جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت تورات میں اور انجیل میں ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی پھر اس کو تقویت دی پھر وہ گدرائی پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی۔

کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس تربیت یافتہ جماعت سے اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمادیا ہے نبی کریم ﷺ کے اصحاب نے آپ کی ایسی اطاعت کی جیسا کہ اس کا حق تھا۔ انہوں نے اپنے جسموں کو آپ کے لیے تیروں سے آڑ بنایا۔ آپ کے لیے اپنی گردنیں کٹائیں اپنے چھوٹوں اور بڑوں کو قربان کیا مدتوں فاقہ کشی کی۔ لیکن آپ سے اس دین کامل کو حاصل کیا اور اسے اگلی نسلوں کو منتقل کیا۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب رضوان اللہ اجمعین کو امت کا بہترین حصہ قرار دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔

قال رسول اللہ ﷺ خیر امتی القرن الذین یلُونی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (۱۰۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہتر میری امت میں میرے زمانہ کے متصل لوگ ہیں پھر جو ان سے متصل ہیں وہ بہتر ہیں پھر وہ لوگ بہتر ہیں جو ان سے متصل ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا اپنی تربیت یافتہ جماعت پر اعتماد

آپ ﷺ کو اپنی تربیت یافتہ جماعت پر پورا اعتماد تھا۔ آپ نے اپنی زندگی میں اپنے اصحاب کو مختلف مہمات پر بھیجا اور اُن میں سے ہی اُن کا امیر مقرر فرمایا۔ اسی طرح آپ نے مختلف قبائل میں تبلیغ کے لیے اپنے اصحاب کرام کو روانہ فرمایا۔ جیسا کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو اپنی ہجرت سے قبل مدینہ روانہ فرمایا تاکہ وہاں کے لوگوں پر اسلام پیش کریں اور انہیں تعلیم دیں۔ فتح مکہ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا۔ اور اگر کسی غزوہ یا مہم کی وجہ سے آپ کو مدینہ سے سفر کرنا پڑا تو آپ نے اپنے اصحاب کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا یہ تمام اقدامات نبی کریم ﷺ کے اعتماد کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا تو اپنے اطمینان کے لیے ان سے چند سوالات فرمائے تاکہ ان کی صلاحیت و اہلیت کو جانچ سکیں اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے جوابات پر انتہائی مسرور ہوئے جیسا کہ ایک شفیق استاد اپنے لائق و ہونہار شاگرد سے خوش ہوتا ہے۔

عن معاذ أن رسول اللہ ﷺ حین بعثه الی الیمن قال: کیف

تضع ان عرض لك قضاء؟ قال: أقضي بما في كتاب الله قال:
فان لم يكن في كتاب الله؟ قال: فبسنة رسول الله ﷺ قال: فان
لم يكن في سنة رسول الله ﷺ ؟ قال: اجتهد رأي لا آلو قال
فضرب رسول الله ﷺ صدري ثم قال: الحمد لله الذي وفق
رسول رسول الله ﷺ لما يرضى رسول الله ﷺ (۱۰۶)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو جب یمن روانہ فرمایا تو دریافت فرمایا کیا کرو گے جب کوئی معاملہ تمہارے سامنے پیش کیا جائے گا حضرت معاذ نے عرض کیا اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر اللہ کی کتاب میں نہ پاؤ تو پھر؟ عرض کیا پھر سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا اگر سنت رسول ﷺ میں بھی نہ پاؤ تو پھر؟ عرض کیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اور کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ حضرت معاذ نے فرمایا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا ساری تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اللہ کے رسول ﷺ کے قاصد کو وہ توفیق بخشی جو اسے محبوب ہے۔

اپنے تربیت یافتہ اصحاب کرام پر آپ کا یہی اعتماد آپ کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس میں آپ نے اختلافات کے وقت اپنے خلفائے راشدین کی سنت کے اتباع کا حکم فرمایا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

ومن يعش منكم فسيرى اختلافاً كثيراً فعليكم بما عرفتم
من سنتي وسنة الخلفاء المهديين الراشدين من بعدي (۱۰۷)

تم میں سے جو زندہ رہا میرے بعد وہ عنقریب کثیر اختلافات دیکھے گا۔ تمہارے اوپر لازم ہے کہ تم میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو معمول بناؤ۔

اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔ اور ان میں سے ہر رکن کے بے شمار مسائل ہیں۔ صحابہ کرام نے یہ تمام مسائل محفوظ کر لیے اور امت کی اس ضمن میں رہنمائی کی۔ اگر دیکھا جائے تو نبی کریم ﷺ نے اپنے دور کے اسلامی عمران پر محنت کر کے ان کی قائدانہ صلاحیتیں اجاگر کردیں۔ اور ایک جاہلی معاشرے کے امی افراد کو پورے عالم کے قائدین میں تبدیل کر دیا۔ ان پڑھ لوگوں کو استاد الاساتذہ بنا دیا۔

نبی کریم ﷺ نے آنے والی نسلوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کی ہدایت اپنے انہی با اعتماد

ساتھیوں کو دی۔
اس ضمن میں آپ کے چند ارشادات مندرجہ ذیل ہیں۔

قال رسول الله ﷺ تسمعون ويُسمع منكم ويُسمع ممن يسمع منكم (۱۰۸)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ آج تم مجھ سے (دین کی باتیں) سنتے ہو کل تم سے سنا جائے گا پھر ان لوگوں سے سنا جائے گا جنہوں نے تم سے سنا تھا۔

صاحب عون المعبود اس حدیث کی تشریح کرتے ہیں۔

"تسمعون على صيغة المعلوم" ويُسمعُ مبنى المجهول (منكم) خبر بمعنى الامر اى لتسمعوا منى الحديث وتبلغوه عنى ويسمعه من بعدى منكم وبذلك يظهر العلم وينتشر ويحصل التبليغ (۱۰۹)

نبی کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد مندرجہ ذیل ہے۔

بلغوا عنى ولو آية (۱۱۰)

مجھ سے پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت ہو۔

اگر ایک ہی آیت یا ایک ہی حدیث یا ایک ہی مسئلہ بھی معلوم ہو تو یہ ایک امانت کے طور پر ہے اور اسے دوسرے افراد تک پہنچانے کا حکم ہے۔

نبی کریم ﷺ کی بابرکت تربیت نے آپ کے ساتھیوں کا مقام کتنا بلند کر دیا تھا۔ اس ذیل میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا ایک واقعہ انتہائی حیران کن ہے۔ جس سے آپ کی درست استعداد ظاہر ہوتی ہے۔ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ہمارے ایک آدمی نے مہر مقرر کیے بغیر ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ اور ابھی خلوت صحیحہ نہیں ہوئی تھی کہ وہ فوت ہو گیا۔ اس سلسلہ میں رہنمائی فرمائیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی وفات سے لے کر آج تک کسی نے مجھ سے اس سے زیادہ سخت مسئلہ نہیں پوچھا۔ آپ ایک ماہ کے غور وفکر کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے فتویٰ دیا کہ اس عورت کو مہر مثل ملے گا اور میراث بھی اور اس پر عدت وفات لازم آئے گی۔

راوی حدیث عبداللہ بن عتبہ فرماتے ہیں۔

فقام ناس من اشجع فيهم الجراح وأبو سنان فقالوا: يا ابن

مسعود نحن نشهد أنّ رسول الله ﷺ قضاها فينا في برُوعَ بنت واشق وانّ زوجها هلال بن مُرَّةَ الاشجعي كما قضيت قال: ففرح عبدالله بن مسعود فرحاً شديداً حين وافق قضائوه قضاءَ رسول الله ﷺ (۱۱۱)

پھر کئی آدمی قبیلہ اشجع کے کھڑے ہوئے ان میں جراح اور ابوسنان بھی تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے ابن مسعود ہم گواہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے واشق کی بیٹی بروع کا فیصلہ اس طرح کیا تھا جیسا کہ تم نے یہ فیصلہ کیا اور وہ ھلال بن مرہ کی بیوی تھی۔ راوی نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود نہایت خوش ہوئے جس وقت ان کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کے موافق ہوا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک کڑے امتحان میں پورے اترے تھے۔ اور فیصلہ کرنے میں نبی کریم ﷺ کی موافقت حاصل کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔

اسلامی عُمران کے مرکز کی بقاء

اسلامی عُمران کی بقا کا وعدہ تا قیامت ہے بالفاظ دیگر اسلامی عُمران کو بقائے دوام حاصل ہے۔ دنیا کے مختلف حالات اس کی بقاء پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

وقال تعالىٰ: إِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ (۱۱۲)

ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں۔

اس آیت میں ذکر سے مراد قرآن عظیم ہے۔ جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں۔

وهو القرآن وهو الحافظ له من التغير والتبديل (۱۱۳)

حفاظت قرآن کے وعدہ الٰہی میں قرآن کریم کی شکل یعنی اس کے الفاظ، ترتیب یعنی اس کے الفاظ، آیات اور سورتوں کی ترتیب، آواز یعنی تلفظ، مفہوم یعنی قرآن کریم کا وہ مفہوم جو نبی کریم ﷺ اور آپ کے بابرکت اور فیض یاب اصحابؓ سے ثابت ہے اور اس پر عمل بھی شامل ہے۔ اگر ان میں سے ایک چیز بھی محفوظ نہ رہے تو حفاظت کا وعدہ عبث ہوگا چنانچہ مندرجہ بالا تمام سطحوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے وعدہ میں شامل ہے۔

مفتی شفیع لکھتے ہیں۔

تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ قرآن نہ صرف الفاظ قرآنی کا نام ہے نہ صرف معانی قرآن کا،

بلکہ دونوں کے مجموعے کو قرآن کہا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ معانی اور مضامین قرآنیہ تو دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں۔ اور اسلامی تصانیف میں تو عموماً مضامین قرآنیہ ہی ہوتے ہیں مگر ان کو قرآن نہیں کہا جاتا، کیونکہ الفاظ قرآن کے نہیں ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن کریم کے متفرق الفاظ اور جملے لے کر ایک مقالہ یا رسالہ لکھ دے تو اس کو بھی کوئی قرآن نہیں کہے گا۔ اگرچہ اس میں ایک لفظ بھی قرآن سے باہر کا نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن صرف اس مصحف ربانی کا نام ہے۔ جس کے الفاظ اور معانی ساتھ ساتھ محفوظ ہیں (۱۱۴)

اس حفاظتِ قرآن کا ظہور اسلامی عُمران میں ہوگا۔ جسے تمام انسانوں میں سے اسلام کے لیے منتخب فرمایا گیا ہے۔ گویا حفاظت کرنے والے اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ لیکن ذریعہ اسلامی عُمران ہوگا۔

وقال تعالیٰ: ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا (۱۱۵)

پھر ہم نے وارث کیے کتاب کے وہ لوگ جن کو چُن لیا ہم نے اپنے بندوں میں سے۔

یہ صاف صاف اعلان ہے کہ قرآن کا وارث اسلامی عُمران ہوگا۔ اور ہر وارث اپنے ترکہ اور ورثہ کی حفاظت کرتا ہے۔ پیغمبر ﷺ کے بعد اس کتاب کا وارث اس امت کو بنایا ہے جو کہ مجموعی طور پر تمام امتوں سے بہتر ہے۔ اور چونکہ یہ آخری امت ہے لہٰذا اب وحی الٰہی ان سے لے کر کسی اور امت کو نہیں دی جائے گی۔ قرآن کریم کی تبلیغ اور حفاظت کے لیے اسی امت کے افراد ہر دور اور ہر عہد میں اٹھیں گے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔

والارث انتقال الشئی من احد الی غیرہ وقیل معنی اورثنا اخرنا ومنہ المیراث لانہ اخر من سالف ومعنی الایۃ اخرنا القرآن من الامم الماضیۃ واعطینا الذین اصطفینا من عبادنا من للتبعیض متعلق باصطفینا اوبیان للموصل ظرف مستقرحال من الضمیر المنصوب المحذوف الراجع الی الموصل یعنی الذین اصطفیناھم من عبادنا واضافۃ العباد الی نفسہ للتشریف والمراد بالموصل علماء امۃ محمد ﷺ من الصحابۃ ومن بعدھم اوالامۃ باسرھا کذا قال ابن عباس (۱۱۶)

یعنی ارث سے مراد ہے کسی کے پاس سے ایک چیز کا دوسرے کے پاس منتقل ہو جانا۔ اور ثناء کا ترجمہ اخرنا بھی کیا گیا ہے۔ اسی معنی کے لحاظ سے میراث کو میراث کہتے ہیں۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ گزشتہ اُمتوں سے اس قرآن کو مؤخر کر دیا اور اپنے منتخب بندوں کو دیا من عبادنا میں من تبعیضیہ اور عبادنا میں اضافت عباد کی عزت وعظمت کو ظاہر کر رہی ہے۔ عباد سے مراد ہیں صحابہ کرام اور ان کے بعد قیامت تک آنے والے علماء امت حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک پوری امت اسلامیہ مراد ہے۔

اس سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت اسلامی عُمران کے ذریعہ ہی ہوگی۔ گویا اسلامی عُمران ہی وہ ظرف ہے جہاں قرآن پاک محفوظ رہے گا۔ قرآن پاک کے الفاظ، تلفظ، ترتیب، مفہوم اور اس پر عمل محفوظ ہوگا۔ اور تا قیامت حفاظت کا فریضہ قرآن کے وارث سرانجام دیں گے۔ اس لیے یہ حفاظت کرنے والے بھی تا قیامت محفوظ ہونگے۔

نبی کریم ﷺ کی دعا:

بدر کے موقع پر صحابہ کرام کی قلیل تعداد مشرکین مکہ کے ایک ہزار سے زائد افراد پر مشتمل فوج سے ٹکرا گئی تھی۔ افراد اور اسلحہ کا کوئی تناسب نہ تھا۔ لیکن محض اللہ عز وجل کے بھروسہ پر صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ کی قیادت میں دشمنوں سے لڑے۔ اگر اس موقع پر مسلمان شکست کھا جاتے تو اس بات کا شدید خطرہ تھا کہ مسلمانوں کی جماعت کا بالکل صفایا کر دیا جاتا اور اسلام کا نام لینے والوں کو دنیا میں باقی نہ رہنے دیا جاتا۔ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کریم کی طرف متوجہ ہو کر خصوصی دعا مانگی۔ جسے کتب احادیث میں روایت کیا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے جس میں آپ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کے دن نبی کریم ﷺ کے اصحاب تین سو انیس تھے جب کہ مشرکین مکہ ایک ہزار۔ اس وجہ سے نبی کریم ﷺ قبلہ رو ہو کر خصوصی طور پر دعا مانگتے رہے۔

حضرت عمرؓ نبی کریم ﷺ کے مندرجہ ذیل الفاظ روایت کرتے ہیں۔

فاستقبل نبی الله ﷺ القبلة ثم مديديه فجعل يهتف بربه اللهم اِنجزلي ماوعدتني اللهم اٰتِ وعدتني اللهم ان تهلك هذه العصابة من اهل الاسلام لا تعبد في الارض(۱۱۷)

یعنی پھر آپ نے قبلہ کی جانب رُخ کیا پھر دونوں ہاتھ پھیلائے اور پکار کر دعا کرنے لگے اپنے پروردگار سے یا اللہ پورا کر جو تو نے وعدہ کیا مجھ سے یا اللہ

دے مجھ کو جو تو نے وعدہ کیا۔ اے اللہ اگر تو ہلاک کر دے اس جماعت کو تو پھر زمین میں تیری عبادت نہ ہوگی۔

نوویؒ لکھتے ہیں:

والعصابة الجماعة(۱۱۸)

یعنی العصابہ سے مراد الجماعت ہے۔

نبی کریم ﷺ نے یہی دعا اُحد کے دن بھی مانگی تھی۔ جسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یقول یوم احد اللهم انك ان تشأ لاتعبد فی الارض(۱۱۹)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ احد کے دن فرماتے تھے۔ کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو تیری زمین میں کبھی پوجا نہ ہوگی۔ مراد یہ ہے کہ اگر یہ جماعت آج ہلاک ہوگئی تو قیامت کے دن تک تیری عبادت کرنے والا کوئی فرد زمین پر زندہ نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اس مبارک دعا کو قبول فرمایا اور یہ بھی واضح ہے کہ آپ ﷺ کی یہ دعا صرف بدر اور احد کے لیے نہیں تھی بلکہ اس کی تاثیر قیامت تک کے لیے ہے اور جب بھی ایسا موقع آیا کہ مسلمانوں کی ہلاکت کا خدشہ ہوگا تو ان کی مدد کی جائے گی۔ لیکن قرآن کی یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ یہ حفاظت اسلامی عُمران کے طبقہ" سابق بالخیرات" کو مہیا کی جائے گی۔ کیونکہ انہی کی وجہ سے قرآن پاک سیرت النبی، احادیث اور تربیت نبوی کو محفوظ رکھا جائے گا۔

اس طرح اسلامی عُمران کی تا قیامت بقاء کو نبی کریم ﷺ کی بابرکت دعا کی بدولت لازم کر دیا گیا۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ اسلامی عُمران کی بقائے دوام قرآن پاک، سیرت النبی ﷺ اور سنت نبوی پر عمل سے مشروط ہے۔

اسلامی عُمران کبھی کلیۃً فنا نہیں ہوگا:

امام بخاری نے حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لاتزال طائفة من امتی ظاهرین حتی یاتیهم امر الله وهم ظاهرون(۱۲۰)

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آ جائے گی اور وہ غالب ہی رہیں گے۔

حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے بھی ایک حدیث بیان کی گئی ہے۔ جس کا ایک حصہ مندرجہ ذیل ہے۔

ولن یزال امر هذه الامة مستقیماً حتی تقوم الساعة اوحتی یاتی امر الله عزوجل (۱۲۱)

اور اس امت کا معاملہ ہمیشہ درست رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے یا آپ نے فرمایا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچے۔

امام بخاری اس باب میں الفاظ لائے ہیں۔ وھم اھل العلم جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک قیامت تک باقی رہنے والا یہ گروہ اہل علم ہوگا۔ اور یہ نکتہ اب تک پیش کی جانے والی بحث کے عین مطابق ہے کیونکہ اسلامی عمران ہی وہ ظرف ہے جس میں قران وسنت محفوظ کیے جائیں گے اور یہی علم ہے اور اس کے حامل اھل العلم۔

مناسب ہوگا کہ شارحین بخاری کا مؤقف بھی دیکھ لیا جائے۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ حدیث کی اصل مراد کیا ہے۔

ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

ای علی من خالفهم ای غالبون (۰۰۰) وقد وقع عند مسلم من حدیث جابر بن سمرة ولن یبرح هذا الدین قائم تقاتل علیه عصابة من المسلمین حتی تقوم الساعة وله حدیث عقبة بن عامر لاتزال عصابة من امتی یقاتلون علی امر الله قاهرین لعدوهم لایضرهم من خالفهم حتی تاتیهم الساعة (۱۲۲)

صاحب عمدۃ القاری کے نزدیک ظاھرون کی تشریح اس طرح سے ہے۔

ای معاونین علی الحق وقیل غالبین وقیل عالین قوله امر الله ای القیامة وهم ظاهرون ای غالبون علی من خالفهم (۱۲۳)

یعنی یہ گروہ حق کا معاون اور مددگار ہوگا اور اپنے تمام مخالفین پر غالب رہے گا۔ حریف اس گروہ پر غلبہ نہ پاسکیں گے۔ یہ غلبہ علمی بھی مراد ہوسکتا ہے۔ اور عملی بھی۔ لیکن علمی غلبہ بھی بغیر طاقت کے قائم رکھنا مشکل ہے۔ اپنی علمی کمزوری کا اعتراف کرنے والے غلبہ کا جواز کھو بیٹھتے ہیں۔ اس لیے کوئی

بھی اپنی کمزوری کا اعتراف آسانی سے نہیں کرتا۔ پھر ایسے لوگ جو بعث بعد الموت پر بھی یقین نہ رکھیں اور ان کی نظر صرف دنیا پر ہو وہ کسی صورت اپنے دلائل کی کمزوری تسلیم نہیں کرتے اور اس کمزوری کا ازالہ طاقت سے کیا جاتا ہے۔ اور حق کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چنانچہ حق کے غلبہ اور اسے دشمنوں سے بچانے کے لیے مجاہدین کا وجود ضروری ہے۔ اور ان احادیث میں یہی بات کی گئی ہے۔

قرآن اور اسلامی عُمران لازم و ملزوم ہیں۔ یہی بات ثم اورثنا الکتب...... الایۃ میں بیان کی گئی ہے۔ اور یہی بات اسلامی عُمران کی قیامت تک بقاء کی نشاندہی کرنے والی احادیث میں کہی گئی ہے۔ اس بنیادی نکتہ کو مختلف انداز سے ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ سورہ کہف کی تلاوت کرنے والا اسلامی عُمران فتنہ دجال سے بھی محفوظ رہے گا۔ اور دجال اس طبقہ پر قابو نہ پا سکے گا گویا قرآن والے اللہ تعالیٰ کے خاص لوگ ہوئے۔

حضرت انسؓ روایت فرماتے ہیں۔

> قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ اھلین من الناس قالوا: من ھم یا رسول اللہ ؛ قال: اھل القرآن ھم اھل اللہ وخاصتُہ (۱۲۴)
>
> رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے بعض لوگ ایسے ہیں جیسے کسی کے گھر کے خاص لوگ ہوتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا وہ کون لوگ ہیں؟ ارشاد فرمایا قرآن شریف والے کہ وہ اللہ والے اور اس کے خاص لوگ ہیں۔

گویا اسلامی عمران کا مرکز ہمیشہ قائم رہے گا اور اسی وجہ سے اسلامی معاشرہ بھی برقرار رہے گا لیکن یہ ضروری نہیں کہ دنیوی طور پر بھی مستحکم اور غالب رہے لیکن یہ مغلوبیت دائمی نہیں عارضی ہوگی جیسے ہی وہ اپنے خواص دوبارہ حاصل کرے گا پھر باقی دنیا پر غالب آجائے گا۔

مندرجہ بالا بحث یہ ثابت کرتی ہے کہ ''نبی کریم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے عمرانی منہج کا مطالعہ ''عصرِ حاضر کی عمرانیات میں نہ صرف انتہائی اہمیت رکھتا ہے بلکہ جدید عمرانیات میں بیش بہا اضافہ بھی ہے جو مختلف بحرانوں میں امتِ مسلمہ کی رہنمائی میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔

مصادر و مراجع

۱۔ الانعام ۶:۱۲۴

۲۔ العنکبوت ۲۹:۴۸

۳۔ المجادلة ۵۸:۲۲

۴۔ الجمعة ۲:۶۲

۵۔ البدایة والنهایة: ابو الفداء حافظ ابن کثیر، بیروت، دار الکتب العلمیة، ۱۹۸۸ء ۳۷/۳

۶۔ المعجم الکبیر: ابو قاسم سلیمان بن احمد الطبرانی، کویت، مکتبه ابن تیمیة ﷺ، بدون تاریخ الطبع ۲۰/۳۴۲

۷۔ المنصف: ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبة، بیروت، دارالکتب العلمیة، ۱۹۹۵ء ۳۳۱/۷، وفی دلائل النبوة ابو نعیم، احمد بن عبداللہ الاصبهانی، بیروت، عالم الکتب، بدون تاریخ الطبع ۷۵/۱

۸۔ البدایة: ابن کثیر، ۶۰/۳، ورواہ ابو نعیم فی دلائل النبوة ۷۶/۱

۹۔ البدایة ۳:۳۱

۱۰۔ یونس ۱۶:۱۰

۱۱۔ صحیح بخاری' کتاب بدء الوحی ۵/۱

۱۲۔ البدایة ۳۳/۳

۱۳۔ حیاة الصحابة: محمد یوسف الکاندهلوی، دمشق، دار القلم، ۱۹۷۳ء، ۲۹۱/۱' واخرجه ابن سعد بنحوه ۱۷۷/۳

۱۴۔ المجادلة ۵۸:۲۲

۱۵۔ آل عمران ۲۸:۳

۱۶۔ تاریخ الخلفاء: جلال الدین السیوطی، بتحقیق محمد محی الدین کراچی، نور محمد کارخانه تجارت، بدون تاریخ الطبع ص ۳۶

۱۷ مجمع الزوائد: نور الدین علی بن ابی بکر الهیثمی، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء ۲۵۰/۵ بیعد

۱۸ المعجم الکبیر: الطبرانی ۱۷/۳

۱۹ آل عمران ۱۱۰:۳

۲۰۔ معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، کراچی، ادارة المعارف، 1410ھ، ۱۴۱/۲

۲۱۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله کنتم خیر امة، ۱۶۶۰/۴

۲۲۔ آل عمران ۱۰۴:۳

۲۳۔ تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، لاهور، فاران فاؤنڈیشن، ۱۴۱۱ء ۵۴/۲ ۱ بیعد

۲۴۔ الجامع الصحیح، محققه محمد فواد عبدالباقی، بیروت، دار احیاء التراث بدون تاریخ کتاب الایمان، باب کون النهی عن المنکر من الایمان، ۶۹/۱

۲۵۔ سنن ابو داؤد، ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، الازدی، السجستانی، محققه عزت عبید الدعاس، بیروت، دار الحدیث، ۱۳۹۱ھ، کتاب الملاحم، باب الامر والنهی،

۵۰۸/۴

۲۶۔ صفتہ المنافق: امام جعفر بن محمد الفریابی، محققہ بدر البدر، الکویت، دار الخلفاء الکتاب الاسلامی ۱۹۸۵ء ص ۱۰

۲۷۔ المائدہ ۵:۶۷

۲۸۔ الاعراف ۷:۱۵۸

۲۹۔ میرت النبی: شبلی نعمانی و سلیمان ندوی لاہور، مکتبہ مدینہ، ۱۴۰۸ھ، ۱۸۴/۴

۳۰۔ الانبیاء ۲۱:۲۵

۳۱۔ شرح نووی ۱۵/۱

۳۲۔ لسان العرب بذیل مادۃ جہد ۱۳۴/۳

۳۳۔ مترادفات القرآن: عبدالرحمٰن کیلانی، لاہور، مکتبہ الاسلام، تاریخ ندارد ص ص ۳۹۴_۵

۳۴۔ فتح الباری ۲/۶

۳۵۔ بدائع الصنائع: ابوبکر بن مسعود الکاسانی، کوئٹہ، المکتبۃ الحبیبۃ ۱۹۸۹ء ۹۸/۷

۳۶۔ تدبر قرآن ۵۹۱/۱

۳۷۔ البقرۃ ۲:۲۵۱

۳۸۔ جہاد، آداب و احکام: عبداللہ عزام، مترجم منہاج الاسلام فاروقی، لاہور، ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۹۳ ص ۱۷

39. Islamic sociology: An Introduction: Ilyas Ba-Yunus, Cambridge, the Islamic Academy, 1985 P-47

۴۰۔ ایمان اور زندگی، علامہ یوسف القرضاوی، مترجم: عبدالحمید صدیقی، لاہور، اسلامک پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۷۹ء، ص ۳۱

۴۱۔ اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی: سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۹۸۷ء، ص ۱۴۹۔

۴۲۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم: سید سلیمان ندوی، ۳۰۱/۴

۴۳۔ الروم، ۳۰:۴۷

۴۴۔ ایمان اور زندگی: یوسف القرضاوی ص ۳۴

۴۵۔ النساء، ۴:۸۰

۴۶۔ الانفال، ۸:۲۰-۲۱

۴۷۔ ایمان اور زندگی: یوسف القرضاوی، ص ۱۸۵

۴۸۔ الاحزاب ۳۳:۲۱

۴۹۔ تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل، عماد الدین، بیروت، دارالاندلس، ۱۹۶۶ء، ۳۹۲/۶
۵۰۔ تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن 1984، ۸۱/۴
51. Recognizing Islam: Michael Gilsenan, New York, Pantheon Books, 1982, P-17
۵۲۔ تھذیب الاسماء واللغات: ابوزکریا محی الدین النووی، بیروت دار الکتب العلمیۃ، بدون تاریخ الطبع، ۲۷۹/۱
۵۳۔ آل عمران ۳:۱۰۳
۵۴۔ النساء، ۴:۷۷
۵۵۔ صحیح مسلم' کتاب الجھاد و السیر' باب غزوۃ ذی ۰۰۰، ۱۴۳۷/۳
۵۶۔ تفسیر ابن کثیر، ۹۷/۸
۵۷۔ در المنثور فی التفسیر بالماثور: جلال الدین السیوطی، بیروت، دار المعرفۃ، بدون تاریخ الطبع، ۱۹۵/۶
۵۸۔ تفسیر ابن کثیر، ۴۶/۷
۵۹۔ النور، ۵۵:۲۴
۶۰۔ تفسیر ابن کثیر، ۸۴/۶
۶۱۔ تفہیم القرآن، ۴۱۹/۳
۶۱۔ تفسیر ابن کثیر، ۸۷/۶
۶۲۔ پیغمبر اعظم و آخر: نصیر احمد ناصر، لاہور، فیروز سنز، تاریخ ندارد، ص ۳۹۲
۶۳۔ المائدہ، ۶۶:۵
۶۴۔ تفسیر المظھری: قاضی ثناء اللہ پانی پتی کوئٹہ، بلوچستان بک ڈپو' ۱۹۸۳ء ۱۴۳/۳
۶۵۔ تفسیر مواھب الرحمٰن: سید امیر علی، لاہور، ادارہ نشریات اسلام، تاریخ ندارد، ۲۰۰-۲۰۱/۲
۶۶۔ نوح، ۱۰-۱۲: ۷۱
۶۷۔ الشوریٰ، ۳۰: ۴۲
۶۸۔ الموطاء، مالک بن انس، الامام، صححہ محمد فواد عبدالباقی، بیروت، داراحیاء التراث، ۱۹۸۵ء، کتاب الجھاد، باب ماجآء فی الغلول، ۴۶۰/۲
۶۹۔ المسند: امام احمد بن حنبل، بیروت، دار الفکر، بدون تاریخ الطبع، ۳۸۳/۶
۷۰۔ نفس المصدر، ۳۸۴/۶
۷۱۔ صحیح بخاری' کتاب الایمان' باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس، ۱۲/۱

۷۲۔ الایمان: ابن تیمیہ، محققہ ناصر الدین البانی، بیروت، المکتب الاسلامی ۱۹۸۶ء، ص ۲۹۹

۷۳۔ جامع العلوم و الحکم: ابو الفرج عبدالرحمٰن ابن احمد بن رجب الحنبلی، بیروت، دار المعرفۃ، بدون تاریخ الطبع ص ۴۲

۷۴۔ مسند احمد، ۴/۲۰۰-۲۰۱

۷۵۔ جامع العلوم والحکم، ص ۴۲، وروی بہ الفاظ مختلفہ فی حلیۃ الاولیاء، ۵/۲۰۲_۲۰۱

۷۶۔ المعجم الکبیر : ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی ، کویت ، مکتبۃ ابن تیمیہ ۱۹۸۰ء ۱۰/۱۲۷

۷۷۔ المرجع السابق ص ۴۳

۷۸۔ سیرۃ النبی ﷺ : سید سلیمان ندوی، لاہور، مکتبہ مدنیہ، ۱۴۰۸ھ، ۵/۳۵

۷۹۔ یضاً ۵/۳۵

۸۰۔ صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب تسویۃ الصفوف ۱/۳۲۴

۸۱۔ مرقاۃ المفاتیح : علی بن سلطان محمد القاری، پشاور، مکتبہ حقانیہ، بدون تاریخ الطبع، ۳/۱۷۰

۸۲۔ الفاطر ۳۵/۳۲

۸۳۔ مسند احمد ۵/۱۹۸

۸۴۔ تفسیر ابن کثیر ۵/۱۴۲

۸۵۔ الحجرات ۴۹:۱۴

۸۶۔ حجۃ اللہ البالغۃ، الشاہ ولی اللہ، مصر، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بدون تاریخ الطبع ۱/۲۹۹

۸۷۔ تأویل الاحادیث محققۃ غلام مصطفیٰ القاسمی حیدرآباد، اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ دھلوی ۱۹۶۶ء ص ۲۴

۸۸۔ توبہ ۹/۱۰۶

۸۹۔ تفسیر ابن کثیر ۴/۷۹

۹۰۔ تفسیر المظھری ۸/۵۸

۹۱۔ توبہ ۹/۱۰۲

۹۲۔ تفسیر عثمانی:مولانا شبیر احمد عثمانی، کراچی، دار التصنیف، ۱۹۷۵ء ص ۲۶۲

۹۳۔ توبہ ۹/۱۰۰

۹۴۔ مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب الانکار علی الامراء فیما یخالف الشرع

۹۵۔ حجۃ اللہ البالغہ ۲/۱۴۸

۹۶۔ نفس المصدر ۱/۶
۹۷۔ المصدر السابق ص ۶۷
۹۸۔ المصدر السابق ۱/۸
۹۹۔ فیوض الحرمین، شاہ ولی اللہ، دھلی، بیتاب پرنٹنگ پریس، تاریخ ندارد ص ۶۸
۱۰۰۔ الفصل فی الملل والاھواء والنحل: ابو محمد علی ابن حزم، مصر، ۱۳۱۷ھ، ۱/۷۷
۱۰۱۔ موطا امام مالک کتاب الجامع، باب النھی عن القول فی القدر، ۲/۸۹۹
۱۰۲۔ جامع بیان العلم و فضلہ: ابو عمر یوسف ابن عبدالبر القرطبی، بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۹۷۸ء ۲/۱۸۰
۱۰۳۔ نفس المصدر، ۲/۹۷
۱۰۴۔ الفتح، ۲۹:۴۸
۱۰۵۔ صحیح مسلم 'کتاب الفضائل' باب فضل الصحابة ۰۰۰۰، ۴/۱۹۶۲
۱۰۶۔ مسند احمد، ۵/۲۳۰
۱۰۷۔ المستدرک: حاکم نیشاپوری، ۱/۳۷
۱۰۸۔ سنن ابو داود 'کتاب العلم' باب فضل نشر العلم ۴/۶۸
۱۰۹۔ عون المعبود: ۳/۳۶۰
۱۱۰۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل، ۳/۱۲۷۵
۱۱۱۔ سنن ابو داود، کتاب النکاح، باب فیمن تزوج ۰۰۰۰' ۲/۵۹۰
۱۱۲۔ الحجر، ۹:۱۵
۱۱۳۔ تفسیر ابن کثیر، ۴/۴۴۵
۱۱۴۔ معارف القرآن، ۷۱/۵/۲
۱۱۵۔ الفاطر، ۳۲:۳۵
۱۱۶۔ تفسیر مظھری، ۸/۵۵
۱۱۷۔ صحیح مسلم کتاب الجهاد و السیر، باب الامداد بالملائکة فی غزوة بدر، ۳/۱۳۸۴
۱۱۸۔ شرح نووی ۲/۹۳
۱۱۹ صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب استجاب الدعآء ۰۰۰' ۳/۱۳۶۳
۱۲۰۔ صحیح بخاری کتاب الاعتصام، باب قول النبی ﷺ لاتزال، ۶/۲۶۶۷
۱۲۱۔ نفس المصدر ۶/۲۶۶۷
۱۲۲ فتح الباری، ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی الحافظ، بیروت، دار المعرفة، بدون تاریخ الطبعة ۱۳/۲۹۴
۱۲۳۔ عمدة القاری ۱۲/۴۸
۱۲۴۔ المستدرک ۱/۵۵۶